ماهنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

June - 1988

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلّہ

حیاتِ نو

جلد نمبر ۳ —————— شمارہ نمبر ۶

جون ۱۹۸۸ء

• مدیر مسئول —————— نور محمد فلاحی

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

. سالانہ زر تعاون	۳۰ روپے
. خصوصی تعاون	۱۰۰ روپے
. غیر ممالک سے	۱۵ امریکی ڈالر
. فی شمارہ	۳ روپے

پتہ ترسیل زر کا: دفتر ماہنامہ مجلّہ حیاتِ نو۔ جامعۃ الفلاح۔ بلریا گنج، اعظم گڈھ یوپی ۲۷۶۱۲۱

افضل نعیمی پریس برائے جمال پریس دہلی ——— کاتب: رفیق احمد شاہپور کندھرا پور، اعظم گڈھ

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ		
عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۳
بحث و نظر		
حکمت سید مودودیؒ	ادارہ	۵
مقالات		
ابوالعلیٰ کا نثری سرمایہ	صباح الدین ملک فلاحی	۷
اردو زبان و ادب پر سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات	فرید احمد عظمی فلاحی ندوی	۱۴
سیرت نبویؐ ـ اپنوں کی جہالت [illegible] کی عداوت	عبدالبر اثری فلاحی	۳۴
حضرت حسان بن ثابتؓ کے اسلامی دور کی شاعری میں قرآن کا پرتو	جاوید احمد فلاحی	۴۲
ابن تیمیہ ـ تیسری صدی ہجری کا متکلم اسلام	توقیر عالم فلاحی	۵۰
عظمت کے مینار		
حضرت عبداللہ بن جحشؓ	ابو جاوید	۲۴
تعلیم و تعلم		
مورخ ابن خلدون اور آپکی کتاب "العبر"	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۳۰
حلقۂ یاراں		
مزمل حسین فلاحی	محمد اسلام عمری	۵۵
شعر و نغمہ		
پہچان	مجاہد حکیم پوری	۳۳
نعت پاک	قمر رسولپوری	۳۲
غزل	مجاہد الحکیم پوری	۳۲
غزل	عزیز بگھروی	۳۳
غزل	الطاف حسن قریشی	۵۸
جامعہ کے لیل و نہار		
جامعہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز	ولی اللہ سعیدی فلاحی	۶۳

اداریہ — ولی اللہ سعیدی فلاحی

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی، جہنم بھی

عمل کی حقیقت، اہمیت اور اس کے فوائد مسلّم ہیں۔ آج پوری دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ عمل ہی کا نتیجہ ہے۔ دنیا کا کوئی بھی ملک ہو یا دنیا کا کوئی بھی نظریہ، ہر ایک کے نزدیک عمل ہی سب کچھ ہے حتیٰ کہ مزدور پیشہ گھرانے کے سات سالہ بچے کے دل میں یقین کی حد تک یہ بات بٹھا دی جاتی ہے کہ گھر بیٹھے رہنے سے بہتر کچھ کرنا اچھا۔

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اس کے یہاں عقیدہ و عمل کی مثال جسم و جان کی سی ہے کہ بغیر جان کے انسانی ڈھانچہ بظاہر صحیح سالم نظر آتا ہے لیکن یہ فریب نظر کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسلام میں اقرار زبان و تصدیق قلب کے بعد عمل ہی سب کچھ ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات پر ایمان کے معاً بعد عمل صالح کا ذکر اسی اہمیت کے پیش نظر فرمایا ہے۔ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا پوری زندگی ایمان و عمل کا درس دیتے رہنا اور اس کا عملی نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کرنا بھی عمل کی قدر و منزلت کا بین ثبوت ہے۔ اسی لئے سن بلوغ سے لے کر مرتے دم تک ایمان اور عمل صالح دونوں ہی مطلوب و مقصود ہیں کہ ان کے بغیر نہ تو دنیا میں کامیابی مل سکتی ہے اور نہ آخرت میں ہی سرخروئی نصیب ہو سکتی ہے۔

صحابہ کرام اور قرون اولیٰ کے لوگوں میں ایمان و عمل کا یہ تصور بدرجۂ اتم موجود تھا اور وہ اس پر کاربند بھی تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دنوں میں جزیرہ عرب ہی نہیں بلکہ عرب کے باہر بھی اسلام غالب ہو گیا اور ایسی عظیم الشان فتوحات ہوئیں جن کی نظیر پیش کرنے سے یہ دنیا قاصر ہے۔

آج ہمارے یہاں عمل کے علاوہ سب کچھ ہے اور ہر شخص کو اس کا احساس و اعتراف

بھی ہے۔ اگر ہم اپنے چاروں طرف نظر دوڑائیں اور یہ اندازہ لگائیں کہ ہم میں با عمل کتنے ہیں تو نتیجہ نہایت تشویشناک ثابت ہوگا۔ مشکل سے ۲ فیصدی یا اس سے بھی کم افراد عمل سے بہرہ ور نظر آئیں گے۔

آج ہمارے مذہب کی راہ میں رکاوٹوں پر رکاوٹیں آتی جا رہی ہیں اور ہمارے مقصد کے رستے میں تنگیوں پر تنگیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ قہر خداوندی کی ایک شکل بھی تو ہے۔ کہیں اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض تو نہیں؟ ہم تمام کو اس پر غور کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حسن عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ واللہ ولی التوفیق۔ •••

بقیہ: ابوالاعلیٰؒ کا نثری سرمایہ

کریں، فصاحت و بلاغت کا نیا پیمانہ بنائیں، تنقید کی ایک نئی روش ایجاد کریں اور جاہلی ادوار کے ہفوات، و بیہودہ سرایوں کو چودھویں صدی ہجری کے عجائب گھر میں طاقوں پر سجا کر رکھ دیں۔ ہم زبان و ادب کے معاملہ میں ابی الاعلیٰؒ کی مندرجہ ذیل تحریروں کو "نقوش راہ" بنا لیں نوجوانوں کے لئے بھی ان کا پیغام اور یہی ان کا آخری سبق ہے:

"میرے نزدیک جو ادب دعوت خیر اور اصلاح کے لئے محرک ہو وہ پاکیزہ ترین ادب ہے۔ جو محض تفریح کا ذریعہ ہو مگر برائیوں کے لئے محرک نہ ہو وہ مباح ہے اور جو برائیوں کے لئے محرک ہو وہ ناپاک ادب ہے۔

"معاش کے لئے کوئی ادب پیدا کرنا میرے نزدیک غلط چیز ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ آدمی معاش کے لئے اینٹیں ڈھولے۔"

ادب دماغوں کو ڈھالنے والی چیز ہے۔ یہ کام محض معاش کے لئے نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس کو بالکل اپنے نظریہ و مسلک پر کرنا ہوگا۔" اس نظریہ ادب کو اسلامی انقلابی ادب کا خشت اول بنا لینا چاہئے۔

بحث و نظر

حکمت سیّد مودودیؒ

اسلامی قانون میں سزائے رجم

یہ امر کہ زنا بعد احصان کی سزا کیا ہے۔ قرآن مجید نہیں بتاتا، بلکہ اس کا علم ہمیں حدیث سے حاصل ہوتا ہے۔ بکثرت معتبر روایات سے ثابت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف قولاً اس کی سزا رجم (سنگساری) بیان فرمائی ہے بلکہ عملاً آپ نے متعدد مقدمات میں یہی سزا نافذ بھی کی ہے۔ پھر آپ کے بعد چاروں خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دور میں یہی سزا نافذ کی اور اس کے قانونی سزا ہونے کا بار بار اعلان کیا۔ صحابہ کرام اور تابعین میں یہ مسئلہ بالکل متفق علیہ تھا کسی ایک شخص کا بھی کوئی قول ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ قرن اول میں کسی کو اس کے ایک ثابت شدہ حکم شرعی ہونے میں کوئی شک تھا۔ ان کے بعد تمام زمانوں اور ملکوں کے فقہائے اسلام اس بات پر متفق رہے ہیں کہ یہ ایک سنت ثابتہ ہے کیونکہ اس کی صحت کے اتنے متواتر اور قوی ثبوت موجود ہیں جن کے ہوتے کوئی صاحب علم اس سے انکار نہیں کر سکتا۔ امت کی پوری تاریخ میں بجز خوارج اور بعض معتزلہ کے کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے اور ان کے انکار کی بنیاد بھی یہ نہیں تھی کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس حکم کے ثبوت میں وہ کسی کمزوری کی نشان دہی کر سکے ہوں بلکہ وہ اسے قرآن کے خلاف قرار دیتے تھے حالانکہ یہ ان کے اپنے فہم قرآن کا قصور تھا وہ کہتے تھے کہ قرآن "الزانی والزانیۃ" کے متعلق الفاظ استعمال کر کے اس کی سزا سو کوڑے بیان کرتا ہے لہٰذا قرآن کی رو سے ہر قسم کے زانی اور زانیہ کی سزا یہی ہے اور اس سے زانی محصن کو الگ کر کے اس کی کوئی اور سزا تجویز کرنا قانون خداوندی کی خلاف ورزی ہے مگر انھوں نے یہ نہیں سوچا کہ قرآن کے الفاظ جو قانونی وزن رکھتے ہیں وہی قانونی وزن اس تشریح کا بھی ہے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کی ہو، بشرطیکہ وہ آپؐ سے

ثابت ہو۔ قرآن نے ایسے ہی مطلق الفاظ میں اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ کا حکم بھی قطع ید بیان کیا ہے۔ اس حکم کو اگر ان تشریحات سے مقید نہ کیا جائے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں تو اسکے الفاظ کی عمومیت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ ایک سوئی یا ایک بیر کی چوری پر بھی آدمی کو سارق قرار دیں، اور پھر پکڑ کر اس کا ہاتھ شانے کے پاس سے کاٹ دیں۔ دوسری طرف لاکھوں روپے کی چوری کرنے والا بھی اگر گرفتار ہوتے ہی کہہ دے کہ میں نے اپنے نفس کی اصلاح کر لی ہے اور اب میں چوری سے توبہ کرتا ہوں تو آپ کو اسے چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ قرآن کہتا ہے فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِہٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰہَ یَتُوْبُ عَلَیْہِ (المائدہ ۳۹) اسی طرح قرآن صرف رضاعی ماں اور رضاعی بہن کی حرمت بیان کرتا ہے۔ رضاعی بیٹی کی حرمت اس استدلال کی رو سے قرآن کے خلاف ہونی چاہئے۔ قرآن صرف دو بہنوں کے جمع کرنے سے منع کرتا ہے۔ خالہ اور بھانجی اور پھوپھی اور بھتیجی کے جمع ہونے کو جو شخص حرام کہے اس پر قرآن کے خلاف حکم لگانے کا الزام عاید ہونا چاہئے۔ قرآن صرف اس حالت میں سوتیلی بیٹی کو حرام کرتا ہے جب کہ اس نے سوتیلے باپ کے گھر میں پرورش پائی ہو۔ مطلقاً اس کی حرمت خلاف قرآن ہونی چاہئے۔ قرآن صرف اس وقت رہن کی اجازت دیتا ہے جب کہ آدمی سفر میں ہو اور قرض کی دستاویز لکھنے والا کاتب میسر نہ آئے۔ حضر میں، اور کاتب کے قابل حصول ہونے کی صورت میں رہن کا جواز قرآن کے خلاف ہونا چاہئے۔ قرآن عام لفظوں میں حکم دیتا ہے وَاَشْہِدُوْا اِذَا تَبَایَعْتُمْ (گواہ بناؤ جب کہ آپس میں خرید و فروخت کرو) اب وہ تمام خرید و فروخت ناجائز ہونی چاہئے جو رات دن ہماری دکانوں پر گواہی کے بغیر ہو رہی ہے۔ یہ صرف چند مثالیں ہیں جن پر ایک نگاہ ڈال لینے سے ہی ان لوگوں کے استدلال کی غلطی معلوم ہو جاتی ہے جو رجم کے حکم کو خلافِ قرآن کہتے ہیں۔ نظامِ شریعت میں نبی کا یہ منصب ناقابلِ انکار ہے کہ وہ خدا کا حکم پہنچانے کے بعد ہمیں بتائے کہ اس حکم کا منشا کیا ہے، اس پر عمل کرنے کا طریقہ کیا ہے، کن معاملات پر اس کا اطلاق ہوگا اور کن معاملات کے لئے دوسرا حکم ہے۔ اس منصب کا انکار صرف اصولِ دین ہی کے خلاف نہیں ہے بلکہ اس سے اتنی عملی قباحتیں لازم آتی ہیں کہ ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔

(ترجمان القرآن۔ فروری ۱۹۸۸ء صـ۱۵)

آخری قسط

ابوالاعلیٰ کا نثری سرمایہ

صباح الدین ملک فلاحی

کتب

مضامین کے بعد مولانا کی نثر کا ایک بہت بڑا حصہ مستقل کتابیں ہیں جو متعدد ابواب پر مشتمل ہوتی ہیں لیکن ان کا ہر باب اپنی جگہ ایک مضمون ہوتے ہوئے بھی ایک کل کا جز ہوتا ہے۔ ان میں منطقی قوت ترتیب کا بہترین مظاہرہ ہوتا ہے مثلاً "اسلام اور جدید معاشی نظریات" کو لے لیجئے۔ اس میں ایک دیباچہ ہے جس میں موضوع کا بیان ہے، اور پھر مسلسل پانچ ابواب ہیں جن میں سب سے پہلے باب میں موجودہ معاشی مسائل کے تاریخی پس منظر پر گفتگو کی جاتی ہے۔ دوسرے باب میں سرمایہ داری کا جائزہ لیا گیا ہے۔ تیسرے میں سوشلزم اور کمیونزم پر بھرپور تنقید کی گئی ہے اور چوتھے میں ان کے رد عمل پر غور کیا گیا ہے۔ پانچویں میں پورے مسئلہ کو نہایت وضاحت سے صاف کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ اس کے بعد دو ابواب اور ہیں جن میں اسلامی نظریہ کو الجھن کا اصلی حل دکھایا جاتا ہے۔ پوری کتاب میں ذہن کی تعمیری صلاحیت کا کمال نظر آتا ہے۔ ذہن کی صفائی سے یہاں بکھرے ہوئے مواد کو ایک مربوط شکل دے دیتی ہے اور ایک دلکش تعمیر پیش کر دیتی ہے۔ ان کی تعمیر کامل طور پر عقلی اور سائنسی ہے اور وہ ہمارے ذہن پر ایسا ہی اثر کرتی ہے جیسے کسی انجینیر کا بنایا ہوا نقشہ اور کسی تجربہ کرنے والے کا عمل تجسس۔ نثر کو اس اعلیٰ معیار پر لانا ان ہی کا حق ہے۔

خطبات

خطبات کی نثر میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو دوسرے مضامین اور کتابوں کی نثر میں نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خطبات دراصل قارئین کے لئے نہیں سامعین کے لئے ہوتے ہیں۔ مخاطب کی تبدیلی سے ان کی نثر میں بھی تبدیلی آگئی ہے۔ تقریر میں سامعین کی توجہ قائم رکھنے کے لئے مقرر کو خطابت کے بہت سے گُر استعمال کرنے پڑتے ہیں ان میں ایک حد تک تخیلات سے کام لے کر مقرر سامعین کے دلکش نقشے پیش کرتا رہتا ہے۔ تاکہ ان کی طبیعت اچاٹ نہ ہو نیز اس میں تکرار سے بھی کام لیا جاتا ہے تاکہ سامعین کے دلکش

موضوع کو بھول نہ جائیں یا جلدی میں کچھ کا کچھ نہ سمجھ جائیں۔ مولانا کے خطبات میں ایک ادبی نفاست کے ساتھ یہ ساری خصوصیات ابھر آئی ہیں۔ ان کے خطبات کی تعداد بہت کافی ہے۔ کچھ ہیں پمفلٹ کی صورت میں ملتے ہیں جیسے "نیا نظام تعلیم" اور ایک تعداد ایک جلد میں کر دی گئی ہے جیسے جس کا نام "خطبات" ہے۔ مولانا کے طرز میں فتنہ گری نام کو نہیں ہے۔ وہ اس قسم کے طرز ہیں جو اپنی سطح سے گرنا جانتے ہی نہیں۔ سب خطبات کی نثر کا معیار ایک ہے۔ ان میں توضیح کے لئے تمثیل کا استعمال بڑے دلکش طریقے پر ملتا ہے۔ مثلاً:

"جو شخص یہ جانتا ہی نہ ہو کہ اسلام اور کفر میں کیا فرق ہے اور اسلام اور شرک میں کیا امتیاز ہے اس کی مثال تو بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اندھیرے میں ایک پگڈنڈی پر چل رہا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ سیدھی راہ پر چلتے چلتے خود بخود اس کے قدم کسی دوسرے راستے کی طرف مڑ جائیں اور اس کو اس کی خبر بھی نہ ہو کہ میں سیدھی لکیر پر چلتے چلتے خود بخود سیدھی راہ سے ہٹ گیا ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ راستہ میں کوئی دجال کھڑا ہوا مل جائے اور اس سے کہے کہ اے میاں تم اندھیرے میں راستہ بھول گئے آؤ میں تمہیں منزل تک پہونچا دوں۔ بیچارہ اندھیرے کا مسافر خود اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے۔ اس لئے نادانی کے ساتھ اپنے ہاتھ دجال کے ہاتھ میں دے دے گا اور وہ اس کو بھٹکا کر کہیں سے کہیں لے جائے گا۔ یہ خطرات اس شخص کو اسی لئے تو پیش آتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی روشنی نہیں ہے اور وہ خود اپنے راستے کے نشانات کو نہیں دیکھ سکتا۔ اگر اس کے پاس روشنی موجود ہو تو ظاہر ہے کہ نہ وہ راستہ بھولے گا، اور نہ کوئی دوسرا اس کو بھٹکا سکے گا۔ بس اسی پر قیاس کر لیجئے کہ مسلمان کے لئے سب سے بڑا خطرہ اگر کوئی ہے تو یہی ہے کہ وہ خود اسلام کی تعلیم سے ناواقف ہو۔"

اس اقتباس میں مثال کو کافی طوالت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کیونکہ یہ پڑھنے والوں کے لئے نہیں سننے والوں کے لئے ہے۔ اسی طرح ایک ہی بات کی مختلف الفاظ میں تکرار کی بھی بڑی عمدہ مثالیں مولانا کے خطبات میں نظر آتی ہیں۔ تکرار کے سلسلہ میں خطبات کے ماہر اکثر سوالات کا استعمال کرتے ہیں۔ دیکھئے مولانا اس صنف کو کس طرح دلکش بناتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کافر سے جدا کرنے والی صرف دو چیزیں ہیں، ایک علم دوسرے عمل۔ یعنی پہلے تو اسے یہ جاننا چاہئے کہ اس کا مالک کون ہے؟ اس کے احکام کہاں ہیں؟ اس کی مرضی پر چلنے کا طریقہ کیا ہے؟ کن کاموں سے وہ خوش ہوتا ہے اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے؟ پھر جب یہ باتیں معلوم ہو جائیں تو دوسری بات یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو مالک کا غلام بنا دے۔ جو مالک کی مرضی ہو اس پر چلے اور جو اپنی مرضی ہو اس کو چھوڑ دے۔ اگر اس کا دل ایک کام کو چاہے اور مالک کا حکم اس کے خلاف ہو تو اپنے دل کی بات نہ مانے اور مالک کی بات مانے۔ اگر ایک کام اس کو اچھا معلوم ہوتا ہے اور مالک کہے کہ وہ برا ہے تو اسے برا ہی سمجھے اور اگر دوسرا کام برا معلوم ہوتا ہو مگر مالک کہے کہ وہ اچھا ہے تو اسے اچھا ہی سمجھے۔ اگر ایک کام میں نقصان نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے ضرور کیا جائے تو چاہے جان و مال کا کتنا ہی نقصان ہو وہ اس کو ضرور کر کے ہی چھوڑے۔ اگر دوسرے کام میں اس کو فائدہ نظر آتا ہو اور مالک کا حکم ہو کہ اسے نہ کیا جائے تو خواہ دنیا بھر کی دولت ہی اس کام میں کیوں نہ ملتی ہو وہ اس کام کو نہ کرے۔"

یہ تکرار کی کافی کھلی ہوئی مثال ہے۔ دوسرے مقامات پر الفاظ اس قدر مختلف ہیں کہ بادی النظر میں تکرار کا شبہ نہیں ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ نثر کی جن جن اصناف کو انھوں نے برتا ہے ان میں اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔

ترجمہ

مولانا کی نگارشات کا چوتھا حصہ ترجمہ ہے۔ یہ ترجمے اس حیثیت سے معیاری ترجمے ہیں کہ اصل سے مطابقت کے ساتھ ساتھ ان میں "ترجمہ پن" بالکل نہیں ہے۔ وہ بالکل طبع زاد تحریر معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے ترجمے کا کمال ہے کہ وہ اصل کے الفاظ سے اور ترتیب سے بالکل الگ نہیں ہوتا اور پھر تحریر بھی صاف، شستہ اور بامحاورہ اردو ہوتی ہے۔ ان کے قرآن کے ترجمے کو تو الہامی کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے وسیع معنوں میں عربی مبین کی ترجمانی بقول موصوف "اردوئے مبین" میں کی ہے۔ دوسری کتب اور مقالات کے ترجمے بھی شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اپنی تصنیفات میں انھیں جدید اقوال اور نظریات کی بھی ترجمانی کرنی پڑی ہے اور اس کو انھوں نے جس اسلوب سے پیش کیا ہے وہ بھی نثر نگاری کا نمونہ ہے۔ یہاں الفاظ سے قریب رہتے

کی ضرورت نہ تھی مگر لہجہ کو قائم رکھا تھا اور اس کو مولانا کا ترجمہ اپنے انداز ادا و طریقہ پر قائم رکھتا ہے۔ مثلاً بیبل (BABEL) کے جنسیاتی تعلقات کی بابت سوال کا جواب ترجمہ کرتے ہوئے:

"عورت اور مرد آخر حیوان ہی تو ہیں۔ کیا حیوانات کے جوڑوں میں نکاح اور وہ بھی دائمی نکاح کا کوئی سوال پیدا ہو سکتا ہے؟"

اس سے آگے بڑھ کر ان کی وہ نثر ہے جس میں کسی شخص کے نظریات کی آزاد ترجمانی کی ہے۔ مثلاً مالتھس کی بابت وہ کہتے ہیں "اٹھارھویں صدی کے آخر میں جب انگریز ماہر معاشیات مالتھس نے آبادی کی روز افزوں ترقی کو روکنے کے لئے ضبط ولادت کی تجویز پیش کی تھی اس وقت اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی کہ اس کی پیش کی ہوئی تجویز ایک صدی بعد زنا اور فواحش کی اشاعت میں سب سے بڑھ کر مددگار ثابت ہوگی۔ اس نے تو آبادی کی افزائش کو روکنے کے لئے ضبط نفس اور بڑی عمر میں نکاح کا مشورہ دیا تھا مگر انیسویں صدی کے آخر میں جو نو مالتھسی تحریک اٹھی تو اس کا بنیادی اصول یہ تھا کہ نفس کی خواہش کو آزادی کے ساتھ پورا کیا جائے اور اس کے فطری نتیجہ یعنی اولاد کی پیدائش کو سائنٹفک ذرائع سے روک دیا جائے۔"

ان ترجموں میں ان کی نثر کی اہم صفت صحت فہم و ذہن اور صفائی و دلنشینی کلام کا اثر نمایاں ہے۔ ایک اور ترجمہ ملاحظہ کیجئے جس میں ایک عیسائی عالم کرائی سوسٹم کے تصور عورت کو بیان کرتے ہیں: "ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارتگر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت۔"

نقد و تبصرے

ان کی تصانیف کا پانچواں دائرہ کتابوں پر نقد و تبصرہ، مقدمات اور تقریظات کا ہے یہ حصہ علمی اور ادبی انتقاد کے باب میں مولانا مودودیؒ کے اسلوب کی عمدہ مثال اور ان کے مسلک کے عکاس ہیں۔ اردو ادب میں تنقید کی اس صنف کو بڑی کم اہمیت دی گئی ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے علمی اور ادبی کتب کے تعارف کی روشن روایت قائم کی تھی۔ شبلیؒ کے بعد اس زمین پر بیل بوٹے لگانے والوں میں مولوی عبدالحق اور مولانا مودودیؒ منفرد ہیں۔

مولانا مودودیؒ نے ان مضامین میں شائستہ علمی تنقید کی بڑی عمدہ روایت قائم کی ہے۔

نیز تنقید کی سطح کو محض الفاظ کے دروبست سے اٹھا کر افکار کے حسن و قبح پر مرکوز کیا گیا ہے۔ یہ تنقیدات فلسفیانہ، دینی اور عمرانی موضوعات کے ایک وسیع کینوس پر پھیلی ہوئی ہیں جن کتابوں کو انتقاد کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے۔ گو ان میں سے اب بہت سی پرانی ہو چکی ہیں لیکن جو فکری اور تمدنی مباحث ان میں آئے ہیں ان کی تازگی پر کہنگی اور فرسودگی کا کوئی سایہ نہیں پڑا اور جس اسلوب کو اس میں اختیار کیا گیا ہے وہ پہاڑی کے چراغ کے مانند روشن ہے۔ اس سلسلے میں ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر تحریر کو اسلام کی نظر سے دیکھتے اور پرکھتے ہیں۔ اس پہلو سے ان کی نقد کتب سے متعلق شائع ہونے والی تحریریں سیاسی، عمرانی، دینی اور ادبی موضوعات کی نظریاتی تنقید کا گلدستہ ہیں۔

ابوالاعلیٰؒ کے نثری سرمایہ کا ایک حصہ ہزارہا خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ خطوط اعزہ، احباب، تحریکی ساتھیوں اور اجنبیوں کو لکھے گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی عمر میں خصوصاً تحریکی زندگی میں جتنے خطوط لکھے ہیں شاید ہی کسی مفکر اور ادیب نے لکھے ہوں۔ یہ خطوط ایک تو اس فن کی مقصدی مکتوب نگاری کی بہترین مثال ہیں۔ ان میں ذاتی تعلق اور جذبات کی حرارت کے ساتھ ساتھ زندگی کے ہزاروں مسائل پر سوچی سمجھی آراء کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ خطوط مکتوب نگار کی شخصیت کا آئینہ ہیں۔ گو مودودی صاحب نے بھی اپنی ذات کے ذکر کو بہت محدود رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ خطوط ان کے افکار و احساسات کے ترجمان ہیں۔ ان میں بے ساختہ اور شگفتہ تحریر کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ ان کے خطوط کے کئی مجموعے مختلف ناموں سے شائع ہو چکے ہیں۔

حاشیے

مولانا مودودیؒ کے اس نثری سرمایہ کا ایک جائزہ لینے کے بعد اگر اس امر کا بھی تذکرہ کیا جائے تو شاید بے محل نہ ہوگا کہ زندگی کے ایک خاص دور میں مودودی صاحب نے شاعری بھی کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ان کی شاعری کی عمر بہت مختصر ہے۔ غالباً "ترجمان القرآن" کی ادارت سے کچھ قبل انھوں نے کئی غزلیں کہیں اور اس رنگ میں کہیں کہ سہ

طالب تو ہوں ضرور پہ سائل نہیں ہوں میں

لیکن خود ان کے بقول "جلد ہی مجھے اندازہ ہو گیا کہ میری طبیعت کا فطری میلان اس طرف

نہیں ہے اس لئے ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ اس کے علاوہ مودودی صاحب عام مجلسی زندگی میں جس طرزِ کلام کے حامل تھے اس کا ایک عکس "عصری مجالس" نام کی ایک کتاب میں دکھایا گیا ہے۔ اس میں بھی وہی رکھ رکھاؤ اور ادبی و فکری حسن موجود ہے جو اُن کی نثر نگاری کا خاصہ ہے۔ اب ایک مجموعہ ان کی ان گفتگوؤں کا بھی بن رہا ہے جو مختلف مواقع پر انٹرویو کی شکل میں سوالات و جوابات کی صورت میں ہوئی ہیں۔

یہ تھا ابوالاعلیٰؒ کی نثر نگاری کا ہلکا سا جائزہ۔ زمانہ پر ان کی نثر کے کیا اثرات مرتب ہوئے اس کا صحیح اندازہ مستقبل کا مؤرخ ہی کر سکے گا۔ مولانا مودودیؒ صحیح معنوں میں "نثر اردو کے مجدد" تھے۔

دنیائے ادبِ اُردو پر احسان

اقبال کے بعد ابوالاعلیٰؒ ہی وہ ہستی ہیں جنھوں نے اردو ادب کو عالمی ادب کا ایک حصہ بنایا۔ یہ دنیائے ادب اردو پر ابوالاعلیٰؒ کا عظیم احسان ہے اس احسان کا بدلہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے مصداق یہی ہونا چاہئے کہ ابوالاعلیٰؒ کو اردو زبان و ادب کا سند قرار دیا جائے۔ انھوں نے اردو زبان میں علم و ادب کا جتنا سرمایہ چھوڑا ہے اردو تو کیا عالمی ادب میں شاید گنتی کے چند ادیبوں نے چھوڑا ہوگا۔ ان سے اردو زبان کو اندازاً سو سے زائد ادبی شاہکار ترکہ میں ملے ہیں۔ ابوالاعلیٰؒ کے اس کارنامہ کا ایک عظیم شاخسانہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے ایک منظم اور فکری تحریک کو زبان اردو کا سرپرست بنایا جس نے چالیس پچاس سال کے عرصے میں برصغیر ہند و پاک میں نامور ادیبوں کی ایک کہکشاں تیار کی۔ امین احسن اصلاحی، صدرالدین اصلاحی، سید حامد علی، عروج قادری، نعیم صدیقی، اسعد گیلانی، عامر عثمانی، ماہرالقادری، حفیظ میرٹھی، م نسیم، ابوالمجاہد زاہد، مائل خیرآبادی اور شبنم سبحانی اسی کہکشاں کے روشن ستارے ہیں۔

اردو کے "حسن" کو نکھارنے میں غالب نے جو حصہ لیا اقبال نے اس کا اعتراف کرتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ؎

گیسوئے اُردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائی دل سوزیٔ پروانہ ہے

آج اگر اقبال ہوتے تو انھیں اردو کی "منت پذیری" کا گلہ نہ رہتا۔ وہ دیکھتے کہ لیلائے اردو کی گیسو کمال فن سے سنوارا جا چکا ہے اور شمعِ اردو کو ایک ایسا پروانہ مل چکا ہے جس کی دل سوزی و وارفتگی نے آسمان شعر و ادب کے پروانوں میں اسے شہرت بخش دی ہے۔

غالب اور مودودیؒ دونوں ہی شمعِ ادب کے پروانے اور لیلائے اردو کے دیوانے ہیں۔ ایک وہ ہے جو لیلائے اردو کا گیسو سنوارتا اور شمع اردو کو اپنی دل سوزی سے شہرت تو فرور دیتا ہے مگر "دنیائے بوالہوسی" میں۔ دوسرا اس کے برخلاف شمع اردو کو "اہل نظر" کی بزم شائستہ میں باعث رونق بناتا ہے۔ اقبال اور مودودیؒ دراصل اردو کی آبرو ہیں۔ اردو کی عزت ان کے دم سے ہے اور ان کی عزت اردو سے۔ انھوں نے اردو کو عظمت بخشی ہے اور اردو نے انھیں عظمت بخشی ہے۔

ہم دنیائے ادب اردو سے سوال کرتے ہیں۔ بتائیے عزت کا مستحق کون ہے؟ وہ جس نے لیلائے اردو کا پیرہن تار تار کیا یا وہ جس نے اسے حیا کی چادر اوڑھائی۔ احترام کا حقدار کون ہے؟ آیا وہ جس نے اسے اپنی بوالہوسی کا تختۂ مشق بنایا یا وہ جس نے اس کے حسن کو ایک تقدس اور جلال دے کر آبرومند کیا۔ ہم قدر و منزلت کسے دیں؟ آیا اسے جس نے شمع اردو کو خانگی کے "مقدس" میں جا کر جلایا یا اسے جس نے اسے بزم علم و عرفان میں روشن کیا۔ بتائیے آپ ادب کا رتبہ بلند کسے دیں گے؟ اسے جس نے زبان اردو کو پاکیزہ فکر بخشی یا اسے جس نے اسے آوارہ خیالی کا ذریعہ بنایا۔ یقیناً فحاشی و بے حیائی کے علمبرداروں کے لئے ہمارے ہاں کوئی رتبہ نہیں ہے بلکہ ہمارا تو خیال ہے کہ ہم تاریخ کی غلطیوں کی اصلاح کریں۔ "دو نمبر" کے ادیبوں کو جو سند ہونے کا شرف بخش دیا گیا ہے ہم انھیں اس شرف سے محروم کر دیں۔ سند کا تاج ان سے چھین کر "اول نمبر" کے ادیبوں کو پہنا دیں۔ اب ہمیں اردو ادب میں ایک انقلاب لانا چاہئے۔ شعرِ اقبال اور نثرِ مودودیؒ کو سند کا درجہ دے دینا چاہئے۔ اب ہمیں زبان و ادب کی صحت و سقم کے لئے غالب، میر اور انیس کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ادب اور لغت کی کتابوں سے داغ، آتش اور ناسخ کے حوالوں کو ساقط کر دینا چاہئے۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ایوان شعر و ادب سے "بوالہوسوں" کو نکال باہر کریں اور "بازاریوں" کی اجارہ داری ختم کر دیں۔ اب ہم خود شعر و ادب کی ایک نئی تعریف

باقی صفحہ ۴۳ پر

اُردو زبان وادب پر سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات

فرید احمد اعظمی فلاحی ندوی، شعبۂ معاشیات۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

اردو نثر نگاری پر سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اثرات

حضرت سید احمد شہیدؒ جہاں اپنی اصلاحی اور تجدیدی تحریکوں کی وجہ سے مذہبی اور تاریخی حیثیتوں سے ماضی میں مرکز توجہ رہے ہیں وہیں اردو زبان و ادب کو جدید انداز تحریر و اسلوب سے نواز کر آج اردو زبان وادب میں اپنی اہمیت کی طرف مورخین کو متوجہ بھی کیا ہے۔

بلاشبہ ماضی میں سید احمد شہید پر جو کام ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ ہاں البتہ اتنا ضرور عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اردو زبان وادب کو جو تاریخ نگار ملے ان کا زاویۂ فکر و نگاہ اردو ادب کے سلسلے میں کچھ زیادہ ہی تنگ رہا ہے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں کی خدمات اردو ادب و زبان کے میدان میں کافی اہم تھیں مگر ان کا جرم صرف یہ رہا ہے کہ وہ عالم، صوفی اور مصلح کی حیثیت سے متعارف رہے ہیں، ان کو اکثر نظر انداز کر دیا گیا ہے جس کی وجہ سے ان کی اردو ادب و زبان کی خدمات آج تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

ظاہر ہے ادب کا دائرہ حسن و عشق تک محدود رکھنا اصولی طور سے غلط ہے۔ اس لئے کہ زبان کو مختلف علوم و فنون سے آشنا کوئی شاعر و ادیب نہیں کرتا بلکہ ان علوم کا فن کار اور ماہر فن کرتا ہے۔ وہ زبان کو سنوارتا، نکھارتا اور اس کی حفاظت فراہم کرتا ہے اور اس کی ترقی میں اہم رول ادا کرتا ہے۔

لہٰذا جہاں ادباء و شعراء کا زبان وادب کی ترویج میں ایک حصہ ہوتا ہے وہیں زبان و ادب کو ترقی دینے میں ایک فلسفی، حکیم اور صوفی کا حصہ بھی کچھ کم نہیں ہوتا۔" یہی وجہ ہے کہ زبان کو وسعت صوفیاء کے حلقوں، علماء کی مجالس اور محفلوں میں نصیب ہوئی۔ لہ

لہ اردو کی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ۔ بابائے اردو مولوی عبدالحق

اس میں شبہ نہیں کہ اردو ادب پر وہابی تحریک کے اثرات پڑے ہیں لیکن اس کی طرف خاص توجہ نہیں دی گئی اور خاص طور سے سید احمد شہیدؒ (متوفی ۱۸۳۱ء) کی تحریک کے اثرات کی طرف کیونکہ سید احمد شہیدؒ کی تحریک کا زمانہ وہابی تحریک کے نقطۂ عروج کا زمانہ ہے۔

یقیناً شاہ ولی اللہؒ نے نظریاتی طور سے تبدیلیاں پیدا کی تھیں اور اس کے بعد شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کو عملی رخ دیا لیکن سید شہیدؒ نے ان نظریات اور عملی راستوں کو ایک عوامی انقلابی اور جہادی تحریک کی صورت دی۔ کیونکہ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ مسلمانوں میں شرک و بدعت کا بازار گرم تھا، وہ مختلف قسم کے توہمات میں گھرے ہوئے تھے۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کے بیان کے مطابق "متھرا کے مندر میں ہندو اور مسلمان دونوں سر جھکاتے تھے۔ شیو دھرم جو بنگال میں خالص ہندو عقائد کے تحت اٹھارہویں صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ اس کے ماننے والے ہندو اور مسلمان دونوں تھے۔" لہ

بدعتوں کے علاوہ باہمی تفرقوں کی وجہ سے اسلام کی صورت بالکل مسخ ہو گئی تھی۔ غالب حسین شاہ حسنی کے مطابق ان کے اپنے الفاظ میں "کوئی اللہ غیر اللہ نہیں ہے۔ بس غیر اللہ نہیں ہے تو عین اللہ ہے۔" یعنی کفر کا تصور ہندوانہ ہے اور اس کا مطلب لاموجود الا اللہ ہے نہ کہ لا معبود الا اللہ۔"

ایک طرف تو یہ شرک و بدعت کا گرم بازار دوسری طرف انگریزی حکومت کو وسیع سے وسیع تر کرتے جا رہے تھے۔ ان تمام حالات میں سر سید جیسے بعض شاطرین نے اسلام کی ناؤ کو خطرے میں دیکھ کر اپنا عین فرض سمجھا کہ اس کی حفاظت کے لئے ہر خطرہ مول لیا جائے۔ چنانچہ ان تمام لوگوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا جو ان کے خیال میں طریقِ محمدیؐ سے ہٹے ہوئے تھے اور اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے میں رکاوٹ بن رہے تھے۔ خواہ وہ انگریز ہوں یا سکھ یا مسلمان۔ چنانچہ سید شہیدؒ نے ہندوستان کی شمال مغربی سرحد کو اپنی دعوت و جہاد کا مرکز بنایا۔

درحقیقت ان کے ذہن میں اس تحریک کے ذریعہ جہاں شرک و بدعت کا خاتمہ کرنا اور کتاب و سنت کی بنیاد پر حکومت شرعیہ قائم کرنا تھا وہیں انگریزوں کو ملک سے بے دخل کرنا

لہ "وہابی تحریک کا اثر اردو ادب پر" پروفیسر خواجہ احمد فاروقی ص ۱۵

بھی تھا۔ چنانچہ انھوں نے شرک و بدعت کو مٹانے کے لئے زبردست تحریک چلائی جس میں سیف و قلم دونوں کا حسب ضرورت استعمال کر کے مسلمانوں میں ایمان و یقین، جذبہ اسلامی اور جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی اور ایک بہت بڑی مجاہدین و دعاۃ کی ایک جماعت تیار کی جنھوں نے صوبہ سرحد، پشاور اور اس کے اطراف میں عملی طور پر ایک اسلامی حکومت قائم کی جس میں حدود شرعیہ کا اجراء اور اسلام کا مالی و دیوانی نظام عمل میں لایا گیا۔

جیسا کہ میں نے اوپر ذکر کیا کہ سر سید احمد شہیدؒ نے جہاں مقاصد کے حصول کے لئے تلوار کا استعمال کیا وہیں پر انہی مقاصد کے لئے اردو ادب و زبان کو اپنی زبان و قلم کے ذریعہ ایسے وقت میں استعمال کیا جب کہ اردو زبان کا استعمال عام نہ تھا۔ غدر سے پیشتر فارسی زبان ہی عام طور پر استعمال کی جاتی تھی۔

سر سید احمد شہیدؒ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے پوری جرأت کے ساتھ اپنی تحریک کو آگے بڑھایا اور غالباً اردو زبان نے اس تحریک کے جو اثرات قبول کئے ہیں ان میں سید احمد کی جرأت و بے باکی کا بھی ایک حصہ ہے جس کے اثرات ہم ان کے رفقائے کرام شاہ اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحئی اور اولاد حسن قنوجی حتی کہ مرزا غالب پر بھی گہرے دیکھتے ہیں۔ نیز صاف گوئی سلاست سادگی میں خرم علی بلہوری، عبدالرزاق، مولانا کرامت علی جونپوری، مولانا ابراہیم آروی، اور مومن خاں متاثرین میں صف اول میں ہیں لیکن ان میں سے بعض پر افکار و خیالات کا اثر غالب ہے۔

سید احمد شہیدؒ کی اردو تصانیف کا باب اگرچہ کچھ زیادہ وسیع نہیں ہے۔ دو چھوٹے رسالے ان کی یادگار ہیں ایک حقیقت الصلوٰۃ دوسرے ان کی تفسیر سورۂ فاتحہ۔ یہ دونوں رسالے سید احمد شہیدؒ کی زندگی ہی میں ایک ساتھ زیور طبع سے آراستہ ہو چکے تھے۔

مگر حیرت ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے سوانح نگاروں نے ان کی اہم مذکورہ تصانیف کا بالکل ذکر ہی نہیں کیا۔ چنانچہ اردو زبان میں سید شہیدؒ کے پہلے تذکرہ نگار سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں سید احمد شہیدؒ کا بڑی عقیدت و جامعیت کے ساتھ ذکر کیا ہے لیکن ان کی تصانیف کا ذکر بالکل نہیں کیا اور نہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت "سید احمد

شہیدؒ" میں اس کے بارے میں ذکر کیا۔ جب کہ صاحب مخزن احمدی مولوی سید محمد علی بن سید عبدالسبحان رائے بریلوی م ۱۸۵۰ھ نے اپنی اس تصنیف میں جو کہ سید احمد شہیدؒ کی سوانح عمری میں خود سوانح نگاروں کے بقول بنیادی حیثیت رکھتی ہے صفحہ ۳۴ اور ۳۵ کے درمیان دو مرتبہ رسالہ حقیقۃ الصلوٰۃ کا ذکر کیا ہے۔

بلاشبہ سید احمد شہیدؒ کی اردو تصانیف میں حقیقت الصلوٰۃ سب سے پہلی آخری تصنیف ہی نہیں بلکہ اردو زبان میں اپنے طرز کی ممتاز کتاب ہے۔ یہ اپنے موضوع پر وہ تاریخی اور انقلاب آفریں تقریر ہے جو موصوف نے مولانا عبدالحئیؒ (م ۱۸۲۸) اور مولانا اسماعیل شہید جیسے عبقریوں کے سامنے بیعت سے قبل کی تھی۔

یوں تو حقیقت الصلوٰۃ کے موضوع پر بہت سی کتابیں ہیں مثلاً حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی (م ۵۰۵ھ) نے احیاء علوم الدین میں، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اور ان کے شاگرد علامہ مرتضیٰ بلگرامی نے اتحاف السادۃ المتقین بشرح احیاء علوم الدین جلد سوم میں اور خواجہ میر درد نے رسالہ اسرار الصلوٰۃ میں بڑے ہی عالمانہ انداز میں نہایت دقیق نکات و اسرار کی طرف نشاندہی کی ہے۔ لیکن سید احمد شہیدؒ کی اس موضوع پر تقریر مذکورہ کتابوں سے مختلف اور جدا ہی نہیں بلکہ سادہ، سہل اور آسان بھی ہے جسے عالم و جاہل دونوں سمجھ سکیں۔ اس فن تصنیف سے موصوف کی دقت نظر، طرز فکر اور مسائل کی فکر اور روح شریعت تک رسائی پر روشنی پڑتی ہے نیز قدرت بیان کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ پس کتاب کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں۔

بڑی بندگی نماز ہے کہ بدون اس کے کوئی بندگی قبول نہیں کیوں کہ سرا سب بندگیوں اور بڑے کاموں سے بچنے کا بھی ہے اور اسی نماز سے کوئی غافل نہیں، نہ درخت نہ عمارات، نہ پرند نہ حیوانات نہ حشرات نہ زمین نہ پہاڑ، نہ ستارہ نہ آسمان، نہ ارواح نہ فرشتے، جیسے کہ نماز درخت و عمارات کی قیام ہے، اور پرند اور حیوانات کا رکوع اور تمام حشرات کی سجود اور زمین پہاڑ کی قعود اور ستارے اور آسمان کی حرکت اور ارواح اور فرشتوں کی طہارت و تسبیح اور فکر شہادت اور تلاوت قرآن اور ذکر و دعا۔ [1]

---

[1] حقیقت الصلوٰۃ۔ سر سید احمد شہیدؒ

اور یہی انداز تحریر سید احمد شہیدؒ نے اپنی تفسیر سورہ فاتحہ میں بھی اپنایا ہے مثلاً تفسیر کا آغاز بسم اللہ کے تحت یوں کیا ہے:

"اس سورہ میں اللہ نے دعا کی طرح بتلائی اور اللہ کے بتلائے بغیر کسی کا بتلایا نہیں ہوتا اس واسطے یہ سورہ بڑی بزرگی رکھتی ہے اور دعا میں دستور یوں ہے۔ ہر کوئی جانتا ہے کہ باوجودیکہ سب آدمی محتاج مقدور ہیں۔ یہ سوال کرنے میں جو آدمی کہ کریم ہمت ور با مقدور ہوتا ہے اس سے مانگتے ہیں۔ جتنا تفاوت آدمیوں میں اوصاف سے ہوتا ہے اتنا ہی سوال کرنے میں فرق پڑتا ہے جس میں سخاوت نہ ہو اس سے نہیں مانگتے اور جو سخاوت ہو پر ترش روئی ہو تو اس سے بھی مانگنے میں پرہیز کرتے ہیں اور جو ترش رو بھی نہ ہو بہت خلق ہو پر دینے کے پیچھے اترائے، جتلا دے منت رکھے اس سے بھی مانگنا اچھے آدمیوں کو سخت بھاری ہوتا ہے اور جو بے مقدور ہو تو اس سے مانگنا ہی نہیں ہو سکتا اور جتنے یہ اوصاف کمال پر ہوں اتنا مانگنا اس سے خوب ہوتا ہے یہاں تک کہ مانگنا عزت ہو جاتا ہے۔[1]

اوپر کی تحریروں میں ہم نے مشاہدہ کیا کہ سید احمد شہیدؒ نے بالکل بول چال کی زبان استعمال کی ہے، اور روزمرہ استعمال ہونے والی زبان تک کو نہیں چھوڑا ہے۔ تصنع اور لفاظی سے بالکل دور ہیں۔ ہندی کے بھی مستعمل الفاظ کے استعمال میں نہیں ہچکچاتے جو کہ اس دور کے بالکل عام فہم تھے۔ اس طرح دونوں تصنیفوں کی تحریر کو پڑھنے کے بعد یہ فرق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ یہ عام طور سے گفتگو کی زبان ہے یا تقریر کی یا تصنیف و تفسیر کی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کی باتوں کو عوام کو سمجھانے کے لئے عام فہم، سلیس اور ٹھیٹھ اردو کے مختصر رسالے لکھنے کی داغ بیل سب سے پہلے سید احمد شہیدؒ ہی نے ڈالی جس کے اثرات ان کے خلفاء اور مریدین کی تحریروں میں نظر آتے ہیں۔

سرسید احمد شہیدؒ نے تفسیر کو موضح القرآن کی طرح ریختہ کی بجائے ہندی یعنی مروجہ ہندوستانی میں لکھی ہے تاکہ ہر خاص و عام با آسانی سمجھ سکے۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصہ اس تفسیر کو

---

[1] تفسیر سورہ فاتحہ۔ سرسید احمد شہیدؒ

گزر چکا، اس کی زبان گرچہ پرانی ہو چکی تاہم آج بھی اس کا انداز بیان دلنشیں محسوس ہوتا ہے۔

جہاں تک سرسید احمد شہیدؒ کی تحریر کے اثرات کا تعلق ہے تو شاہ اسمٰعیل شہیدؒ سے زیادہ کسی کی تحریر میں نہیں نظر آتے، چونکہ دونوں نے آثار الصنادید میں سرسید احمد خان کے بیان کے مطابق شاہ عبدالقادر سے بھی استفادہ کیا ہے اور یوں بھی دونوں کی طویل رفاقت رہی ہے۔

اسی لئے سید اسمٰعیل شہید کو سید احمد شہید کی طرح روزمرہ سادہ، سلیس اور عام فہم زبان کے استعمال میں خاص امتیاز حاصل ہے اور یہ قدرت بیان اور امتیاز موصوف کی اہم ترین کتاب تقویۃ الایمان میں ان کی دیگر کتابوں مثلاً تذکرۃ الاخوان، صراط مستقیم (اور عبقات) سے زیادہ واضح نظر آتا ہے کیونکہ اس کتاب کو اپنی لسانی خصوصیات کی بنا پر اردو زبان کی ابتدائی تصانیف میں جو مقام حاصل ہے اس کا ذکر اردو کے سبھی تاریخ نگاروں نے کیا ہے اس میں سرسید احمد شہید کی تمام وہ تحریری خصوصیات جھلکتی ہیں جن کی بنا پر وہ اپنے معاصرین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں چنانچہ ان کی تصنیفات حقیقت الصلوٰۃ اور تفسیر سورہ فاتحہ کی تحریروں اور شاہ اسمٰعیل شہید کی تقویۃ الایمان و صراط مستقیم کی تحریروں میں زیادہ حد تک مشابہت ہے، اور افکار تو سرسید احمد شہید کے ہیں ہی۔

شاہ اسمٰعیل شہید نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان کو دو ابواب میں تقسیم کیا ہے پہلا باب توحید و شرک کے بیان میں ہے اور دوسرا باب اتباع سنت کی خوبیوں اور بدعت کی برائیوں کے بیان میں ہے۔ چنانچہ پہلے باب میں شرک کی چار قسمیں بتلائی ہیں (۱) اشراک فی العلم (۲) اشراک فی التصرف (۳) اشراک فی العبادات (۴) اشراک فی العادات۔

چنانچہ ص۱ پر توحید و شرک کے بیان میں رقم طراز ہیں:

"کہ اول سننا چاہئے کہ شرک لوگوں میں بہت پھیل رہا ہے اور اصل توحید نایاب لیکن اکثر لوگ شرک و توحید کے معنی نہیں سمجھتے اور ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں حالانکہ شرک میں گرفتار ہیں۔ سو اول معنی شرک و توحید کے سمجھنا چاہیے کہ برائی بھلائی ان کی قرآن و حدیث سے معلوم ہو۔ سننا چاہیے کہ اکثر لوگ پیروں کو اور پیغمبروں کو اور اماموں کو اور شہیدوں کو اور فرشتوں کو اور پریوں کو مشکل کے وقت پکارتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور ان کی منتیں

مانتے ہیں۔" [3]

آگے دوسری فصل اشراک فی العلم میں آیت وعندہٗ مفاتح الغیب لایعلمہا الاھو الخ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"یعنی جس طرح اللہ صاحب نے بندوں کے واسطے ظاہر کی چیزیں دریافت کرنے کو کچھ راہیں بتادی ہیں جیسے آنکھ دیکھنے کو، کان سننے کو، زبان چکھنے کو، ہاتھ ٹٹولنے کو، عقل سمجھنے کو۔ اور راہیں ان کے اختیار میں دی ہیں کہ اپنی خواہش کے موافق ان سے کام لیتے ہیں جیسے جب کچھ دیکھنے کو جی چاہا تو آنکھ کھول دی، نہ چاہا تو آنکھ بند کر لی، جس چیز کا مزہ دریافت کرنے کا ارادہ ہوا منہ میں ڈال لیا، نہ ارادہ ہوا نہ ڈالا۔ سو گویا کہ ان چیزوں کو دریافت کرنے کو کنجیاں ان کو دی ہیں۔ جیسی جس کے ہاتھ میں کنجی ہوتی ہے قفل اسی کے اختیار میں ہوتا ہے، جب چاہے تو کھولے جب چاہے نہ کھولے۔ اسی طرح ظاہر کی چیزوں کو دریافت کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے۔" [2]

آگے چھٹی فصل فی ردّ بدعۃ التقلید کے بیان میں رقمطراز ہیں:

"سننا چاہئے کہ اکثر لوگ مولویوں اور درویشوں کے کلام کی اور کام کی سند پکڑتے ہیں اور ان کے کلام کی پیروی کرتے ہیں اور ان کے حق میں یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو انھوں نے کیا اور کہا وہی ٹھیک ہے اور اللہ کی راہ وہی ہے۔" کچھ چل کر تحریر فرماتے ہیں:

"اور اصل بات یہ ہے کہ حاکم مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی کے حکم کو ماننا چاہئے۔ اس کے سوا اور کسی کا حکم نہ ماننے۔ اور رسول کا حکم ماننا بھی خدا ہی کا حکم ہے۔ تو پیغمبر بھی حاکم نہیں پھر اور کوئی مجتہد اور فقیہ اور مولوی، مفتی، قاضی، ملّا، طالب علم اور غوث قطب اور ولی اور پیر شہید اور پیرزادے، مخدوم، مجاور، مرید تو کس گنتی اور شمار میں ہیں۔" [3]

یہی انداز تحریر صراط مستقیم میں لئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ بدعت زیارت قبر کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"اہل اللہ کی قبروں پر ناجائز بدعتوں کا اظہار صوفی شعار مشرکوں کی ان بدعات سے ہے جو

---

[1] تقویۃ الصلوٰۃ، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ص۱۱ [2] تقویۃ الایمان، شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ص۲۷

[3] ایضاً ص۲۸

اس ملک کے لوگوں کی نظر میں نیک کام کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے۔ گو یہ بدعتیں بے شمار ہیں لیکن دو تین قبیح امر مثال کے طور پر اس مقام میں ذکر کئے جاتے ہیں تاکہ دوسرے قبیح کاموں کو بھی انہی امور مذکورہ پر قیاس کر سکیں۔ دور دور ملکوں سے سفر کی بڑی بڑی مصیبتیں: مثلاً کمر اور رات دن کی تکلیفیں اور دکھ جھیل کر اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت کے واسطے آنا انہیں بدعات میں سے ہے اور ان سفروں میں اگرچہ یہ تکلیفیں اٹھاتے ہیں اور یہ سفر ان کو شرک کے ظلمات اور اللہ تعالیٰ کے غضب کی وادی میں پہنچاتے ہیں تاہم عوام اس کو سفر حج کے برابر بلکہ بعض وجوہ سے بہتر جانتی ہے۔" [1]

آگے فی الاعتصام بالسنۃ والاجتناب عن البدعۃ کے باب میں تحریر فرماتے ہیں:

"حق تعالیٰ نے فرمایا یہ قرآن جو میں نے تمہارے واسطے بھیجا ہے یہ راہ اور طریقہ اس میں سے تمہارے کرنے کے لئے فرمایا یہی راہ میری رضامندی اور خیر کی طرف پہنچنے کی سیدھی ہے۔ اس راہ پر چلو اور سوا اس کے اور راہیں باپ دادا کی اور پیر واستاد کی، رسم ورواج ملک کے بادشاہوں کی نہ چلو اگر ان راہوں پر چلوگے تو وہ راہیں تم کو میری راہ سے بہکا دیں گی۔ یہ میں نے تم کو بھی دیا کہ تم خبردار ہو جاؤ۔" [2]

یہاں جب ہم سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کی تحریروں پر نظر ڈالتے ہیں تو سر سید احمد شہیدؒ کی خصوصیات شاہ اسماعیلؒ کی تحریروں میں مکمل صورت سے پاتے ہیں۔ درحقیقت سر سید احمد شہیدؒ کی تحریروں میں سر سید احمد خاں کی صاف گوئی، سادگی، روانی تحریر اور بے باکی پاتے ہیں۔ میرے اپنے احساس کے مطابق جس طرح سر سید احمد خاں کو حالات نے یہ انداز تحریر اختیار کرنے پر مجبور کیا چنانچہ موصوف کی تحریر کی اضطراری کیفیت مولانا حالی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے۔

"ان کی حالت اس بے قرار آدمی کی طرح تھی جو گھر میں آگ لگی دیکھ کر بے تابانہ ہمسایوں کو آگ بجھانے کے لئے پکارتا ہے۔" (حیات جاوید)

ٹھیک یہی حالت سید احمد شہید کی تھی۔ ان کی نگاہ ہر وقت مضمون پر رہتی تھی جس طرح

---

[1] صراط مستقیم، شاہ اسماعیل شہیدؒ ص۵۹ [2] ایضاً ص۵۸

ذہن و دماغ میں آتا اس کو ادا کر دیتے تھے۔ انھیں اس کی فرصت نہ تھی کہ مہینوں بلکہ ہفتوں اور دنوں کا انتظار کریں۔ وہ اپنے احساسات و خیالات کو جلد سے جلد الفاظ میں تبدیل کر دینا چاہتے تھے۔ اسی سے ان کو تسکین حاصل ہوتی تھی۔ باوجودیکہ سید احمد شہیدؒ بڑے فصیح اللسان شخص تھے جسکی شہادت "تاریخ ادب اردو" کا مرتب رام بابو سکسینہ مندرجہ ذیل الفاظ میں دیتا ہے:

"سید صاحب چونکہ بڑے عالم اور فصیح شخص تھے لہذا ان کی تقریریں اور وعظ سن سن کر لوگ بکثرت ان کے مرید ہو گئے تھے" ۱؎

یہی تحریری اثرات پورے طور سے ہم شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریروں میں پاتے ہیں خواہ وہ تذکیر الاخوان ہو یا صراط مستقیم۔ مگر تقویۃ الایمان ان کی تمام تصنیفات میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے جس میں مصنف کے انتقال کے بعد محمد سلطان خاں نے دوسرے حصے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ بہرکیف شرک کی مذمت اور تردید میں اپنے اسلوب نیز فکر کے لحاظ سے بے مثال کتاب ہے جو اپنے اندر سادگی، روزمرہ استعمال ہونے والی زبان، سلاست، عدم تصنع و تکلف کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے نیز عام فہم، سلیس ہونے کے ساتھ ساتھ سید احمد شہیدؒ کی بے باکی تحریر کی واضح مثال ہے۔ جس نے جدید اردو کے لئے زمین ہموار کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ یہ سر سید شہیدؒ کا سادہ، دلکش، بے باکانہ طرز گفتگو اور تحریر ہی تھا جس نے شاہ اسماعیل اور مولانا عبدالحئی ہی کو صرف نہیں متاثر کیا بلکہ زمانہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا ہوا حلقہ بنا لیا۔ اسی بے باکی سے مرزا غالب نے فن لغت و شعر میں بڑے بڑے اساتذہ پر نکتہ چینی کی اور اس بات پر زور دیا کہ اگلے جو کچھ لکھ گئے وہ وحی اور الہام نہیں ہے اور نہ یہ پرانی لکیر صراط مستقیم ہے۔ اس سے آگے سر سید شہیدؒ کے اثرات نیز مومن، خرم علی بلہوری پر نمایاں ہیں۔

سر سید احمد شہید کے اثرات رام بابو سکسینہ کے الفاظ میں "مولوی اسماعیل صاحب کا مشہور رسالہ تقویۃ الایمان، نیز دیگر مریدان مولوی سید احمد کی تصانیف مثلاً ترغیب جہاد، ہدایۃ المومنین، نصیحۃ المومنین (زاد المسلمین) موضح الکبائر والبدعات، مأۃ مسائل وغیرہ ان سے اردو زبان کو بھی ضرور تقویت پہنچی۔ اس کے علاوہ ادب اردو کے تاریخ نگار مستشرق گارساں دتاسی کے مطابق وہ اثرات بھی سر سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے نتائج میں جائیں گے جس سے

۱؎ تاریخ ادب اردو مترجم مرزا محمد عسکری طبع سوم حصہ نثر باب ۱۵ ص ۲۳۵

مسلمان فرقوں کی تصانیف مثلاً (۱) سید احمدیوں (۲) ہندوستانی وہابیوں اور (۳) روشنائیوں وجود میں آئیں نیز سید احمد شہید کے دوبارہ ظہور ہونے پر رسالے لکھے گئے۔

یہ اردو کی تصانیف جن کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے انہوں نے جہاں مقاصد تحریک کی تبلیغ و اشاعت میں حصہ لیا ہے وہیں پر اردو نثر جو تکلفات سے گراں بار تھی، اس کے گردن سے تصنع، تکلف، تسجیع و ایہام کا قلادہ اتار پھینکا اور اس کی جگہ صاف گوئی، صراحت، بے باکی، سادگی و سلاست کا ہار پہنایا جس پر سید احمد شہید کے رفقاء کی نثر نگاری کی بنیاد قائم ہے۔ یہی وہ تحفہ ہے جسے ان کتابوں نے اردو ادب کو دے کر جدید اردو کو ایک رخ دیا اور یہی سید احمد شہیدؒ کی تحریک کے اردو نثر نگاری پر اہم اور بنیادی اثرات ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

پہچان

مجاہد لکھیم پوری

میرے آگے، مرے پیچھے، مرے دائیں بائیں
ایک ساتھی کی طرح ساتھ پھرا کرتا تھا
تیرگی ہوتے ہی وہ ساتھ مرا چھوڑ گیا
جو اجالوں میں مرے ساتھ رہا کرتا تھا

میرے ہی جسم سے تخلیق ہوئی تھی اس کی
میرا اپنا تھا، مگر وہ بھی پرایا نکلا
جا چھپا زیر قدم، سر پہ جو سورج آیا
کتنا کم ظرف مرے جسم کا سایہ نکلا

خود غرض دوست کی پہچان یہی ہوتی ہے
عیش و راحت میں تو ہمراہ نظر آئے گا

جب کڑا وقت کبھی آن پڑے گا کوئی
سامنا ہو بھی تو کترا کے گزر جائے گا

تحریر: ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا
ترجمانی: ابو جاوید

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

وہ صحابی جلیل جن کی زندگی کی چند جھلکیاں ہم اس وقت پیش کر رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا بہت گہرا اور مضبوط رشتہ تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جنھوں نے دعوت اسلامی کے اولین مرحلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔ ان کی والدہ محترمہ حضرت امیمہ بنت عبدالمطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی تھے۔ ان کی ہمشیر حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور امہات المومنین میں تھیں۔ وہ پہلے شخص تھے جن کو اسلام میں کسی فوجی مہم کی قیادت سونپی گئی۔ ان سب کے علاوہ وہ پہلے آدمی تھے جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا۔ وہ بزرگ اور محترم صحابی حضرت عبداللہ بن جحش اسدی رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں داخل ہونے سے قبل مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ ان کا شمار سابقین اولین میں ہوتا تھا۔ جب نبیؐ نے قریش کی اذیت رسانیوں سے بچنے کے لئے اور اپنے دین کی حفاظت کے لئے صحابہ کرامؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت مرحمت فرمائی تو قافلہ مہاجرین میں صرف ایک شخص ان سے آگے تھا۔ ان سے پہلے اس شرف کی طرف سوائے حضرت ابو سلمہؓ کے کسی اور نے سبقت نہیں کی تھی۔

خدا کے لئے ہجرت کرنا اور اس کی راہ میں گھر بار اور اہل و عیال سے جدائی اختیار کرنا حضرت عبداللہ بن جحش کے لئے کوئی نیا تجربہ نہ تھا۔ اس سے پہلے وہ اور ان کے گھرانے کے کچھ لوگ حبشہ کی طرف ہجرت کر چکے تھے لیکن اب کی بار ان کی ہجرت نہایت مکمل اور وسیع ہجرت تھی۔ اس بار ان کے اہل و عیال، ان کے متعلقین اور اہل خاندان سب نے ہجرت میں ان کا ساتھ دیا۔ ان میں سے مرد،

عورتیں، بچے، بچیاں اور بوڑھے، جوان سبھی ان کے شریک سفر تھے کیوں کہ ان کا گھر اسلام کا گھر اور ان کا خاندان ایمان کا خاندان تھا۔

جب یہ لوگ مکہ چھوڑ کر نکل گئے تو ان کے مکانات رنج و ملال اور حزن و افسردگی کی تصویر پیش کر رہے تھے۔ ان کے اوپر اس طرح ویرانی اور اداسی مسلط ہو گئی اور زندگی کی رونق اور چہل پہل کے آثار اس طرح وہاں سے مٹ گئے جیسے پہلے وہاں کوئی رہتا ہی نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے اہل خانہ کو ہجرت کئے ہوئے ابھی تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ایک دن سرداران قریش یہ معلوم کرنے کے لئے مکہ کے محلوں اور آبادیوں میں گشت کرنے نکلے کہ مسلمانوں میں سے کون کون سے لوگ مکہ چھوڑ کر جا چکے ہیں اور کون سے لوگ ابھی تک یہاں سکونت پذیر ہیں۔ ان گشت کرنے والوں میں ابو جہل بھی تھا اور عتبہ ابن ربیعہ بھی۔ عتبہ ابن ربیعہ نے دیکھا کہ بنو جحش کے مکانات میں گرد و غبار اڑاتی ہوئی ہوائیں نوحہ کرتی پھر رہی ہیں اور ان کے دروازوں کے کھلے ہوئے پٹ آپس میں ٹکرا ٹکرا کر بڑی بھیانک آواز پیدا کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر اس نے کہا کہ بنو جحش کے مکانات ویران ہو گئے ہیں اور یہ اپنے مکینوں کے فراق میں رو رہے ہیں۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا کہ یہ کیسے لوگ تھے کہ ان کی جدائی کے صدمے سے ان کے مکانات تک رو رہے ہیں۔ پھر ابو جہل نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے مکان پر قبضہ کر لیا اور اس پر اور اس میں باقی ماندہ سامان و اسباب پر مالکانہ طور پر تصرف کرنے لگا۔ جب اپنے مکان پر ابو جہل کے قبضے کی خبر حضرت عبداللہؓ کو پہنچی اور انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ عبداللہ! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض تم کو جنت میں مکان عطا فرمائے۔ انھوں نے کہا کہ کیوں نہیں، اے اللہ کے رسولؐ! میں اس پر راضی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم کو اس کے بدلے جنت میں اس سے عمدہ اور عالیشان مکان ملے گا۔ یہ سن کر ان کا جی خوش ہو گیا اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔

حضرت عبداللہ بن جحشؓ اپنی دونوں ہجرتوں کی مشقتیں جھیلنے کے بعد ابھی مدینہ میں قرار و سکون کی دو گھڑیاں بھی نہیں گزار پائے تھے۔ قریش مکہ کے ہاتھوں دکھ اور اذیت برداشت کرنے کے بعد ابھی انصار مدینہ کے زیر سایہ اور ان کے حفظ و امان میں رہ کر وہ سکھ و چین سے کے

چند لمحات بھی نہیں بتا سکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انھیں ان کی زندگی کی سب سے کڑی آزمائش اور ان کے اسلام لانے کے بعد کے سب سے تلخ تجربے سے دوچار کر دیا۔

ہوا یہ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی اولین فوجی مہم کے لئے آٹھ صحابہ کرام کو جن میں حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت سعد بن ابی وقاص بھی شامل تھے، طلب فرمایا اور کہا کہ میں تمہارا امیر اس شخص کو مقرر کروں گا جو بھوک پیاس کی شدت سب سے زیادہ برداشت کر سکتا ہو۔ پھر آپؐ نے اس دستے کی قیادت حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے سپرد فرمائی۔ اس طرح حضرت عبداللہ بن جحشؓ سب سے پہلے شخص تھے جن کو مسلمانوں کے کسی فوجی دستے کی قیادت سونپی گئی۔

روانگی سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے سمتِ سفر کا تعین فرمایا اور ایک خط ان کے حوالے کرتے ہوئے یہ ہدایت کی کہ دو دن کی مسافت طے کرنے سے پہلے اس کو نہ پڑھیں۔

حسب ہدایت جب انھوں نے اس خط کو کھولا تو اس میں یہ ہدایت درج تھی:

"میرے اس خط کو پڑھنے کے بعد آگے بڑھو، طائف اور مکے کے درمیان "نخلہ" کے مقام پر پڑاؤ ڈالو، اور وہاں ٹھہر کر قریش کی ٹوہ لگاؤ اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرو۔"

حضرت عبداللہؓ نے خط پڑھ کر نبیؐ کے حکم پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مقام نخلہ پر پہنچ کر وہاں خفیہ طور پر قریش پر نظر رکھوں اور ان کے حالات سے آپؐ کو آگاہ کروں۔ انھوں نے مجھے تم میں سے کسی کو زبردستی اپنے ساتھ لے جانے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے تم میں سے جو شخص شہادت کا طالب اور اس کا آرزومند ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے بلا خوفِ لومتِ لائم واپس چلا جائے لیکن سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم رسول اللہؐ کے حکم کو بسر و چشم قبول کرتے ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کو جہاں جانے کا حکم دیا ہے، چلئے۔ ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھے اور نخلہ کے مقام پر پہنچ کر قریش کے حالات معلوم کرنے کے لئے مختلف راستوں پر چکر لگانے لگے۔ اس تلاش و جستجو کے دوران ان کی نظر دور آتے ہوئے قریش کے ایک تجارتی قافلے پر پڑی جو چار آدمیوں عمرو بن حضرمی، حکم بن کیسان، عثمان بن عبداللہ اور اس کے بھائی مغیرہ بن عبداللہ پر مشتمل تھا۔ ان لوگوں کے ساتھ قریش کا

سامانِ تجارت تھا جس میں کھال اور کشمش وغیرہ وہ چیزیں تھیں جن کی وہ تجارت کرتے تھے۔

وہ تاریخ ماہِ حرام (رجب) کی آخری تاریخ تھی۔ صحابہؓ نے آپس میں اس بات پر مشورہ کیا کہ قافلے کے ساتھ کون سا طرزِ عمل اختیار کیا جائے۔ اگر ہم انھیں قتل کرتے ہیں تو ماہِ حرام میں جنگ و خونریزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس صورت میں ماہِ حرام کی حرمت پامال ہوگی اور ہم اہلِ عرب کی ناراضی اور ان کی ملامت کا ہدف بن جائیں گے اور اگر انھیں آج کی تاریخ گزرنے تک مہلت دے دیں تو یہ حدودِ حرم میں داخل ہو کر ہماری پہنچ سے باہر ہو جائیں گے اور خود کو ہماری گرفت سے محفوظ کر لیں گے۔ وہ دیر تک اس مسئلے پر غور و فکر کرتے رہے آخر کار وہ ان کے اوپر حملہ کرنے، انھیں قتل کرنے اور ان کے مال و اسباب کو بطور غنیمت لے لینے پر متفق الرائے ہو گئے اور پھر...... تھوڑی دیر میں ان میں سے ایک کو قتل اور دو کو گرفتار کر چکے تھے۔ البتہ چوتھا شخص بھاگ کر اپنی جان بچا لینے میں کامیاب ہو گیا۔

حضرت عبداللہؓ اور ان کے ساتھی دونوں اسیروں اور سامانِ تجارت سے لدے ہوئے اونٹوں کو لئے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کارروائی سے آگاہ ہوئے آپؐ نے ان کے اس فعل پر سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان سے کہا:

"خدا کی قسم میں نے تمھیں جنگ کی اجازت نہیں دی تھی۔ میں نے تو تم کو صرف قریش کے حالات معلوم کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ ہدایت کی تھی کہ ان کی نقل و حرکت پر خفیہ طور پر نظر رکھو۔"

آپؐ نے قیدیوں کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کے معاملے کو فی الحال ملتوی کر دیا۔ آپؐ نے مالِ غنیمت سے بھی اعراض فرمایا اور اس میں سے کچھ نہیں لیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل سے حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے ساتھیوں کو سخت صدمہ پہنچا اور انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہو کر مکمل طور پر تباہی و بربادی کا سامنا کر رہے ہیں۔ مزید برآں ان پر یہ بات بھی شاق گزری کہ ان کے مسلمان بھائی انھیں ملامت کرنے لگے۔ جب بھی ان کا گزر مسلمانوں کی کسی ٹولی کی طرف سے ہوتا وہ یہ کہتے ہوئے ان کی طرف سے منہ پھیر لیتے کہ "یہ ہیں وہ لوگ جنھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے

حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔" اور انھیں اس دکھ اور زیادہ صدمہ پہنچا جب ان کو یہ بات معلوم ہوئی کہ قریش نے ان کی اس حرکت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے اور ان کو قبائل میں بدنام کرنے کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔ مشرکین مکہ یہ کہہ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام کر رہے تھے کہ "محمدؐ نے حرام مہینے کو حلال کر لیا، اس میں خونریزی کی، مال لوٹا اور آدمیوں کو گرفتار کیا۔" پھر نہ پوچھئے کہ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے رفقاء کو اپنی اس فروگذاشت پر کتنا گہرا رنج اور صدمہ ہوا اور ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے کتنی شرمندگی اور ندامت لاحق ہوئی کیونکہ ان کی اس کارروائی کی وجہ سے آپ سخت ذہنی کوفت و اذیت میں مبتلا ہو گئے تھے۔

جب ان لوگوں کا کرب اور پریشانی حد سے متجاوز اور ان کی قوت برداشت سے باہر ہو گئی تو اچانک ایک شخص نے آکر انھیں یہ مژدۂ جانفزا سنایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور اس نے اس سلسلے میں اپنے نبی پر قرآن نازل کیا ہے۔ یہ سن کر انھیں ناقابل بیان مسرت حاصل ہوئی۔ لوگ قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہوئے انھیں خوشخبری سناتے، انھیں مبارک باد دیتے اور ان کے ساتھ معانقہ کرتے۔

يسئلونك عن الشهر الحرام قتال فيه۔ قل قتال فيه كبير۔ وصد عن سبيل الله وكفر به والمسجد الحرام واخراج اهله اكبر عند الله۔ والفتنة اكبر من القتل۔
(البقرة ۔ ۲۱۷)

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے؟ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر راہ خدا سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد حرام کا راستہ خدا پرستوں پر بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی برا ہے۔ اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جی خوش ہو گیا۔ آپؐ نے قافلے کا مال قبول کر لیا اور دونوں قیدیوں کو فدیہ لے کر رہا فرما دیا۔ پھر آپؐ حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے رفقاء سے بھی راضی ہو گئے۔ کیونکہ ان کا یہ غزوہ مسلمانوں کی زندگی میں ایک بہت بڑے اور عظیم واقعے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس غزوہ میں حاصل ہونے والا مال غنیمت اسلام میں سب سے پہلا مال غنیمت تھا۔ اس میں قتل ہونے والا شخص پہلا مشرک تھا جس کا خون مسلمانوں نے

بہایا۔ اس میں گرفتار ہونے والے قیدی پہلے قیدی تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے۔ اس کا جھنڈا پہلا جھنڈا تھا جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے باندھا اور اس کے امیر حضرت عبداللہ بن جحشؓ وہ پہلے شخص تھے جن کو امیر المومنین کے لقب سے پکارا گیا۔ پھر بدر کا معرکہ پیش آیا۔ اس میں حضرت عبداللہ بن جحشؓ نے شجاعت و مردانگی کے وہ جوہر دکھائے جو ان کے ایمان کے شایان شان تھے۔ پھر غزوۂ اُحد پیش آیا جس میں حضرت عبداللہؓ اور ان کے دوست حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کے مابین ایک یادگار اور ناقابل فراموش واقعہ پیش آیا۔ حضرت سعدؓ اپنے اور اپنے دوست کے واقعے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں: "غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن جحش مجھ سے ملے اور بولے: "کیا تم اللہ تعالیٰ سے دعا نہیں کرو گے؟" میں نے جواب دیا: "کیوں نہیں۔" پھر ہم دونوں ایک طرف خلوت میں چلے گئے اور میں نے دعا کی: "میرے رب! جب دشمن سے میری مڈبھیڑ ہو تو میرا مقابلہ کسی ایسے شخص سے کرا جس کی گرفت نہایت سخت اور جس کا غیظ و غضب انتہائی شدید ہو۔ میں اس سے لڑوں، وہ مجھ سے لڑے، پھر تو مجھے اس کے اوپر غلبہ و کامرانی عطا فرما، حتیٰ کہ میں اسے قتل کر کے اس کے اسلحے کو اپنے قبضے میں کر لوں۔"

عبداللہ بن جحشؓ نے میری اس دعا پر آمین کہا پھر انھوں نے دعا کی: "خدایا! میدان جنگ میں میرا مقابلہ ایسے شخص سے کرا جو انتہائی غضبناک اور سخت گیر ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے جنگ کروں اور وہ مجھ سے لڑے پھر وہ میرے اوپر غالب آجائے اور میری ناک اور میرے کان کاٹ لے اور جب قیامت کے دن میں تیرے سامنے حاضر ہوں تو تو مجھ سے پوچھے کہ میرے بندے! تیری ناک اور تیرے کان کیوں کاٹے گئے؟ تو میں کہوں کہ خدایا! تیری اور تیرے رسولؐ کی راہ میں اور تو کہے کہ تو نے سچ کہا۔"

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن جحشؓ کی دعا میری دعا سے اچھی تھی۔ میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ انھیں قتل کر کے ان کا مثلہ کر دیا گیا ہے۔ اور ان کی ناک اور کانوں کو ایک دھاگے کے ذریعہ درخت پر لٹکا دیا گیا ہے۔

اللہ نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی دعا قبول فرمائی اور انھیں شہادت کی نعمت سے نوازا جیسا کہ ان کے ماموں حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کو نوازا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ اس وقت آپ کے مقدس آنسو ان کی قبر کو تر کر رہے تھے جو شہادت کی خوشبو سے معطر ہو رہی تھی۔ ●●

ولی اللہ سعیدی فلاحی

مؤرخ ابن خلدونؒ اور آپکی کتاب "العبر"

نام ونسب آپ ابن خلدون سے مشہور ہیں۔ آپ کا نام ولی الدین ابو زید الحضرمی شبیلی عبدالرحمن بن محمد بن محمد ہے۔ آپ وائل بن حجر کی اولاد میں سے ہیں، آپ کی اصل اشبیلیہ کی ہے لیکن جائے پیدائش ونشو ونما تونس ہے۔ آپ کا سن پیدائش و وفات ۷۳۲ھ-۸۰۸ھ - ۱۳۳۲-۱۴۰۵ء ہے۔

تعلیم آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز اپنے والد محترم ہی سے کیا اس کے بعد علم مزید کی خاطر فاس، غرناطہ، تلمسان اور اندلس کا سفر کیا۔ قرآن کی تعلیم کے بعد لغت، دین، ادب، فقہ اور علوم فلسفہ کا علم گہرائی سے حاصل کیا اور اس کے اسرار ورموز سے بھرپور واقفیت حاصل کی حتی کہ آپ وقت کے فلسفی اور مؤرخ کی حیثیت سے معروف ہو گئے۔ آپ وہ پہلے انسان ہیں جس نے فلسفۃ التاریخ کی داغ بیل ڈالی اور اس کا نام "طبیعۃ العمران فی الخلیقۃ" رکھا آپ کو فلسفۃ التاریخ کا مائد کہا جاتا ہے۔

تالیفات آپ کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں: العبر وديوان المبتدأ والخبر، شرح البردة، حساب پر ایک کتاب، "منطق" میں ایک پمفلٹ۔ اور شفاء السائل لتهذيب المسائل۔

آپ پر کتابیں لوگوں نے آپ کی شخصیت اور آپ کے افکار پر بھی بہت کچھ لکھا ہے چند اہم کتابیں ذکر کی جاتی ہیں: "حیات ابن خلدون" محمد الخضر بن الحسین، "فلسفۃ ابن خلدون" طہٰ حسین، "دراسات عن مقدمۃ ابن خلدون" ساطع الحصري دو جلدوں میں ہے۔ "ابن خلدون حياته وتراثه الفكري" محمد عبداللہ عنان، "ابن خلدون" یوحنا قمیر اور اسی طرح کی کتاب عمر فروخ کی بھی ہے۔

کتاب العبر فن تاریخ پر ابن خلدون کی یہ ایک شاہکار تصنیف ہے۔ اس کتاب کا پورا نام

"العبر وديوان المبتدأ والخبر في ايام العرب والعجم والبربر ومن عاصرهم من ذوي السلطان الاكبر"[1] ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ "مقدمہ ابن خلدون" سے جانا جاتا ہے اور اس کی شہرت کتاب سے کہیں زیادہ ہے۔

یہ مقدمہ چھ فصلوں میں منقسم ہے (۱) النشوء والارتقاء (۲) الاجتماع (۳) السياسة العملية (۴) الهندسة الحربية (۵) الاقتصاد السياسي (۶) تاریخ آداب اللغة العربية۔

یہ مقدمہ اپنی مقبولیت کی بنا پر تنہا بھی۔ مختلف جگہوں پر شائع ہوتا رہا، مثلاً ۱۸۵۸ میں مصر اور پیرس کے مطبع میں ۱۲۸۴ھ – ۱۸۹۸ء میں بولاق میں، ۱۳۲۷ میں مطبعہ شرفیہ میں اور ۱۳۲۹ میں مطبعۃ التقدم میں۔ اس مقدمہ کا ترجمہ بھی کئی زبانوں میں ہو چکا ہے خصوصاً فرانسیسی، انگریزی، اور المانی میں۔

ابن خلدون کی کتاب "العبر" کئی جگہوں پر شائع ہو چکی ہے۔ بولاق میں ۱۲۸۴ھ میں سات جلدوں میں شائع ہوئی اور ۱۹۶۷ میں دار الکتاب اللبنانی میں بھی سات جلدوں میں شائع ہوئی۔ اب دار الفکر بیروت نے ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱م میں اپنا پہلا ایڈیشن شائع کیا ہے یہ آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد مقدمہ پر مشتمل ہے اور بقیہ پانچ جلدوں میں اخبار عرب، عرب کی نسلیں، ان کے ممالک، اس وقت کے مشہور ممالک، اخبار بربر، اور ان کی نسلیں اور اس وقت کے ممالک (خصوصاً مغرب کے ممالک مشرق کے ممالک بھی عمومی طور پر) اور آٹھویں جلد فہرست پر مشتمل ہے۔

اس نسخے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ نسخہ سابقہ نسخوں کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہے اور اگر سابقہ نسخوں میں کوئی اختلاف ہے تو اس کا بھی تذکرہ ہے۔ ترتیب متن اور وضع حواشی و فہرست کا کام الاستاذ خلیل شحادۃ نے کیا ہے اور دکتور سہیل زکار نے اس نسخے پر نظر ثانی کی ہے۔

---

[1] دار الفکر بیروت کے ۱۹۸۱م - ۱۴۰۱ھ کے نسخے میں ایام کی جگہ تاریخ ہے اور السلطان کی جگہ الشأن ہے۔

نعتِ پاک

قمر رسولپوری

روضۂ خیر البشرؐ کی جب زیارت ہوگئی / اس قدر رویا کہ آنکھوں کی عبادت ہوگئی
حفظ میں لاؤں کہاں سے نعت گوئی کے لئے / ختم ان پر سب فصاحت سب بلاغت ہوگئی
ایک امیؐ نے دیا ہے علم و حکمت کا شعور / ذہنِ انسانی پر مستحکم نبوت ہو گئی
روضۂ پُرنوری کو دیکھ کر پایا سکوں / صبح صادق جیسے قرآں کی تلاوت ہوگئی
نور آیا مٹ گئی ظلمت، جہاں روشن ہوا / تاجدارِ انبیا کی جب ولادت ہو گئی
میرے آقا اس قدر روئے شبِ معراج میں / ہم گنہگاروں کو بھی حاصل شفاعت ہوگئی
روشنی بطحا سے اٹھی ماہ و انجم تک گئی / ہو گیا روشن جہاں کا فور ظلمت ہو گئی
آپ ہیں وہ قائدِ اعظم نہیں جس کی مثال / رہتی دنیا تک زمانے کی قیادت ہو گئی

ہلتی تھی زنجیر بستر گرم تھا ان کا قمرؔ
طے بس اتنی دیر میں ساری مسافت ہوگئی

غزل

مجاہد کلیم پوری

ہر ایک مرحلے سے بخوبی گزر گیا / تھا میرے ساتھ میرا مقدر جدھر گیا
انصاف منصفوں کا یہ اندھیر کر گیا / کس نے کیا تھا جرم مگر کس کے سر گیا
ہوگی کبھی نہ راحتِ منزل اسے نصیب / وہ شخص جسکے ساتھ نہ عزمِ سفر گیا
پھرتا تھا کل جو شہرِ حوادث میں بے خطر / وہ شخص آج اپنے ہی سائے سے ڈر گیا
اپنے ہوں یا کہ غیر کوئی مطمئن نہیں / نفرت کا زہر کون فضاؤں میں بھر گیا

کیا عدل کر سکے گا مجاہدؔ کسی کے ساتھ
وہ بے ضمیر جس کا ہر احساس مر گیا

غزل

عزیز بگھروی

حصارِ وقت میں کوئی سمٹ گیا تو کیا ہوا
تمام کائنات سے وہ کٹ گیا تو کیا ہوا

بہت سے تشنہ کامِ شوق سرخرو تو ہو گئے
ہمارا خون دوستوں میں بٹ گیا تو کیا ہوا

ابھی تو موڑ موڑ پر پہاڑ ہی پہاڑ ہیں
وہ ایک سنگ راستے سے ہٹ گیا تو کیا ہوا

دلوں میں اختلاف کی خلیج اور بڑھ گئی
بزورِ تیغ مسئلہ نپٹ گیا تو کیا ہوا

زباں کا پاس لازمی خدا پرست کے لئے
زباں سے بوالہوس کوئی پلٹ گیا تو کیا ہوا

نظر نواز خلقتیں تو زندگی کو مل گئیں
لباس گرد گرد ایک پھٹ گیا تو کیا ہوا

ہزاروں سرفروش ہیں کفن بدوش تو ابھی
سرِ عزیزؔ بگھروی جو کٹ گیا تو کیا ہوا

سیرت نبوی - اپنوں کی جہالت اغیار کی عداوت

عبدالبر اثری فلاحی

سیرت نبویؐ کے سلسلے میں اپنے لوگ جن جہالتوں میں گرفتار ہیں۔ میں ان سب کا استقصاء کرنے کی کوشش کروں گا، قطع نظر اس سے کہ اس آپریشن کے بعد ان کی کیا پوزیشن بنتی ہے۔

منکرین حدیث

ان کا کہنا ہے کہ رسولؐ کا کام بس قرآن پہنچا دینا تھا اور اب ہمارا کام صرف قرآنی احکام کی تعمیل کرنا ہے۔ اس سے باہر اور اس کے علاوہ کوئی چیز حجت دینی نہیں ہے حتی کہ رسولؐ کا قول و فعل بھی دینی حجت اور واجب الاتباع نہیں ہے ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں آیا ہے ما فرطنا فی الکتاب من شیئ (انعام ۳۸)۔ ونزلنا علیک الکتاب تبیاناً لکل شیئ (نحل ۸۹)۔ ھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً (انعام ۱۱۴)۔ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (مائدہ ۳)

یعنی یہ کہ قرآن میں تمام چیزیں مکمل تفصیل کے ساتھ واضح کر دی گئیں تو احادیث کی کیا ضرورت؟ ورنہ اگر توضیح و تبیین قرآن کی ضرورت ہے تو گویا یہ دعویٰ اس بات پر دال ہے کہ نازل کرنے والے نے (نعوذ باللہ) کمی یا زیادتی کی ہے جو قرآن اور منزل قرآن کی تکذیب کے مترادف ہے۔ ان کی دوسری دلیل یہ ہے کہ احادیث یا تو متواتر ہیں یا آحاد ہیں۔ متواتر تھوڑے ہیں جو قطعی اور آحاد زیادہ ظنی ہیں اور قطعی و ظنی کا مجموعہ ظنی ہی سمجھا اور شمار کیا جاتا ہے اور ظن سے حق کی معرفت نہیں ہوتی۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً (نجم ۲۸)۔ جب کہ دین کو قطعی اور حق ہونا چاہئے اور قطعی صرف قرآن ہے اور اس لئے بھی کہ زیادہ صحیح کی طرف قرآن ہی رہنمائی کرتا ہے۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم (اسراء ۹) لہٰذا قرآن کی پیروی ہوگی حدیث کی نہیں۔

ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر حدیث مصدر شریعت ہوتی تو جس طرح اولین مصدر شریعت قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے انا لہ لحافظون (حجر ۹) کے ذریعہ لیا اسی طرح اس کا بھی

جبکہ اس کے برخلاف ہم دیکھتے ہیں کہ آپؐ نے قرآن کے حفظ و کتابت کا حکم دیا لیکن احادیث کے سلسلے میں فرمایا "لاتکتبوا عنی غیر القرآن ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ" (مسلم) مزید یہ کہ ابوبکرؓ نے مجموعہ احادیث جلوائے، عمرؓ نے بھی جلوائے اور لوگوں کو اس سلسلے میں تنبیہ کیا جبکہ اگر جزء شریعت ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ نیز کہتے ہیں کہ صدر اول میں مدون نہیں ہوا لہٰذا مشتبہ ہے اور یہ کہ شدید اختلافات پائے جاتے ہیں تو آخر کیسے یہ شریعت بن سکتی ہے؟ اور یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے مروی احادیث کو چھوڑ کر عقلی رائے پر اعتماد کیا ہے۔

قادیانیت

آپؐ خاتم النبیین تھے لیکن شروع ہی سے ختم نبوت پر حملے ہوتے رہے ہیں۔ پہلے مسیلمہ اور اسود العنسی نے جھوٹا دعوائے نبوت کیا اور فی زمانہ غلام احمد قادیانی کے ایک گروہ نے لفظ خاتم النبیین کی تاویل کر کے نبوت کا دروازہ کھول رکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں "نبیوں کی مہر" مطلب یہ ہے کہ نبیؐ کے بعد جو انبیاء بھی آئیں گے وہ آپؐ کی مہر لگنے سے نبی بنیں گے۔ بعض کہتے ہیں خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے یعنی نبوت کا دروازہ تو کھلا ہوا ہے البتہ کمالات نبوت حضورؐ پر ختم ہو گئے ہیں، نیز وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں مسیح موعود کے آنے کی خبر دی گئی ہے اور مسیح نبی تھے، اس لئے ان کے آنے سے ختم نبوت میں کوئی خرابی نہیں واقع ہوتی بلکہ ختم نبوت بھی برحق اور اس کے باوجود مسیح موعود کا آنا بھی برحق۔ اور اب مسیح موعود ہونے کا دعویٰ غلام احمد قادیانی کے الفاظ میں سنئے:

"اس نزول سے مراد درحقیقت مسیح ابن مریم کا نزول نہیں ہے بلکہ استعارہ کے طور پر ایک مثیل مسیح کے آنے کی خبر دی گئی ہے جس کا مصداق حسب اعلام و الہام الٰہی یہی عاجز ہے۔"

(قادیانیت، ص ۶۶)

اہل تصوف

ان کے یہاں محبت الٰہی اور عشق خداوندی کا ایسا ڈھانچہ ہے کہ عقیدہ نبوت ہی کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ مولانا صدرالدین اصلاحی صاحب ان کے نظریہ کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"خدا تک پہنچنے کے لئے جو کہ عبادت و بندگی کا اصل مقصود ہے۔ کسی نبی کا توسط ضروری ہے نہ اس کی اقتدا ضروری ہے۔ اس کے بغیر بھی آدمی اس منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے"

ختم ہوا ہے حتم یہ کہ بہت سے صوفیہ کے نزدیک خدا ہی کو یہ براہ راست طریقہ انبیائی طریقے کے مقابلے میں افضل بھی ہے۔" (معرکۂ اسلام و جاہلیت، ص ۱۲۶)

کچھ اسی طرح کی بات مولانا اسمٰعیل شہیدؒ لکھتے ہیں:

"اس محبت (حب عشقی) کا ایک فطری تقاضہ یہ بھی ہے کہ انسان ظاہری علوم اور عادات (یعنی احکام شریعت کے علم اور عبادتی اعمال و آداب) سے بے نیاز ہے۔" (صراط مستقیم ص ۱۱)

شیعی

اول تو انھوں نے احادیث میں تحریف کر دی جیسے کتاب اللہ و سنتی کو کتاب اللہ و عترتی کر دیا اور اسی کی بنیاد پر وہ صرف اہل بیت جو تین سے گیارہ تک کے بیچ تھے انہی کی روایت قبول کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ نبوت و رسالت کی طرح انھوں نے امامت کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور وہ امام مرتبہ اور درجہ میں رسول اللہؐ کے برابر اور دوسرے تمام انبیاء سے افضل و بالاتر ہوتا ہے اور انبیاء ہی کی طرح خدا کی حجت، معصوم اور مفترض الطاعۃ ہوتا ہے۔ یہ تو امت کے وہ افراد ہیں جنھوں نے یا تو آپ کے مقام و مرتبہ اور مطاع و متبوع، امام و ہادی ہونے کی حیثیت کو ختم کر دیا ہے یا اتنا گرا دیا ہے کہ آپ کی ہر حیثیت بے معنی ہو گئی ہے اور دوسرے وہ لوگ ہیں کہ جنھوں نے آپ کو اتنا بڑھایا کہ کہنے لگے ؎

وہی جو مستوی عرش تھا خدا ہو کر
اتر پڑا ہے مدینہ میں مصطفےٰ ہو کر

بدعتی

وہ کہتے ہیں آپ بشر نہیں تھے دلیل قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی (کہف) اس آیت میں "ما" کافہ ہے لیکن وہ ما نافیہ بنا کر ترجمہ کرتے ہیں "میں تم جیسا بشر نہیں ہوں" اور بعض نے ماکافہ مان کر بھی معنی بدل دیا "میں بظاہر تم جیسا بشر ہوں" مزید کہتے ہیں آپ کا سایہ نہیں تھا اور آپ کے قضائے حاجت کی گندگی نہیں ہوتی تھی اس سلسلے میں ذرا ان کی عقلی دلیل ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں بشر کی صورت میں اترے تھے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسا کہ حضرت جبرئیلؑ اگرچہ فرشتہ تھے لیکن اس دنیا میں انسانی صورت میں بھی آیا کرتے تھے، اور جس طرح انسانی صورت میں آئے ہوئے حضرت جبرئیل کو انسان کہنا غلط ہے اسی طرح حضورؐ کی ظاہری شکل پر آپؐ کو بشر قرار دینا خلاف حقیقت ہے۔" (ارشد القادری کی شریعت کا جائزہ، ص ۵)

آپؐ کو نور مانتے ہیں، دلیل قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین (مائدہ ۱۵) اس میں نور سے مراد آپؐ ہیں روایت میں بھی آتا ہے یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ۔

آپؐ کو عالم الغیب مانتے ہیں دلیل فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول (جن ۲۶-۲۷) احادیث میں ہے سلونی عما شئتم (بخاری) نجاشی کی وفات کی خبر دی (بخاری)۔ ابتدا سے قیامت تک کے حالات ایک بار مسلسل بتاتے رہے (بخاری) یہ سب دلیل ہیں کہ آپؐ عالم الغیب تھے جبھی تو سب کچھ بتا دیتے تھے۔ آپؐ کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ ان کی کتاب جاءالحق خاتم الکلام میں ہے "حضورؐ ہر محفل میلاد میں تشریف لاتے ہیں، تعظیم کے واسطے کھڑا ہونا فرض ہے، قیام نہ کرنے والا کافر ہے۔" (ارشد القادری کی شریعت کا جائزہ ص ۱۳۳)

آپؐ کو سمیع الدعا مانتے ہیں، دلیل وما نقموا الا ان اغناہم اللہ ورسولہ من فضلہ (توبہ ۷۴) یعنی جس طرح اللہ بے نیاز کرتا ہے اسی طرح اس کا رسول بھی بے نیاز کرتا ہے۔ مزید آپؐ کو شفیع بالاثر مانتے ہیں دلیل فرمایا رسول اللہؐ نے جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا میں قیامت کے دن اس کا شفیع و شہید ہوں گا۔" غرضیکہ سب کچھ بنا دیا اور مزید یہ کہ اس پر اصرار بھی ہے چنانچہ کسی نے کہا ہے

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا!

اب ذرا عمومی قسم کی جہالتیں بھی ملاحظہ ہوں:

عام جہالتیں

(۱) عام عدم واقفیت اور عام بے عملی و بے راہ روی، ایسے میں اطیعوا اتبعوا کا کیا اور کیسے حق ادا ہو گا؟ (۲) سیرت نبوی علمی انداز میں تو لکھی ہو گئی ہے البتہ اس انداز میں نہیں آئی ہے کہ وہ حرکت پر آمادہ کرے اور انقلاب انگیز ہو جبکہ آپ عظیم انقلاب کے بانی تھے۔ (۳) بیشتر یعنی مستشرقین کے اعتراضات اور مفتریات کے جواب میں مداہنت برتی ہے۔ (۴) سیرت رسول سے ہماری وابستگی محض حصول ثواب کی خاطر رہ گئی ہے۔ (۵) حضورؐ کے پیغام کو نظام حیات کی حیثیت سے ہم قبول نہیں کرتے بلکہ چند اعتقادات، رسوم وعبادات کی حیثیت سے (۶) ہم نے اپنے آپ کو مذہبی و قومی جتھے میں بدل کر محمدؐ کو محض ایک مذہبی و قومی رہنما کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کے بین الاقوامی پیغام اور نمونہ حیات کو

گرد ہی اپ ادہ بنا لیا ہے۔

اغیار کی عداوت

مذہبی وسیاسی تعصب، کم علمی اور روایت ودرایت کے عدم اہتمام کی وجہ سے اغیار نے سیرت نبوی پر لامحدود اعتراضات، الزامات اور مفتریات کئے ہیں جن کا احاطہ مع ان کے دلائل تو مشکل ہے البتہ اہم مسائل کے ذکر کے ساتھ کچھ دلائل اشارۃً ذکر کروں گا اور بقیہ یوں ہی پیش کر دوں گا۔ کچھ تو ان کے مشترکہ اعتراضات ہیں:

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مکہ معظمہ تک تو پیغمبرانہ تھی لیکن مدینہ جاکر جب زور وقوت حاصل ہوا تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی میں بدل گئی اور اس کے جو لوازم ہیں یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خون ریزی وغیرہ کا مظاہرہ ہوا جیسے قافلہ ابوسفیان کو لوٹنے کے لئے اصحاب کو بھیجا، جنگ خیبر میں خزانہ کا پتہ نہ بتلانے کی وجہ سے کنانہ بن الربیع کو قتل کرا دیا جب کہ پہلے اسے امن دے چکے تھے۔ (۲) کثرت ازدواج اور میل الی النساء ان کے بقول آپؐ کی پندرہ بیویاں تھیں۔ جنگ خیبر کے موقع پر صفیہؓ بنت حیّ کو پہلے دحیہ کلبیؓ کے حوالے کر دیا اور جب کسی نے ان کے حسن کی تعریف کی تو ان سے مانگ لیا اور اس کے معاوضہ میں ان کو سات لونڈیاں دیں۔ زینبؓ سے شادی کی جو منہ بولے بیٹے زید کی مطلقہ بیوی اور آپ کے لئے مثل بہو تھی۔ (۳) مذہب کی اشاعت جبر وزور سے۔ (۴) لونڈی اور غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل۔ (۵) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور سیاست بازی۔

آپؐ بت پرست تھے۔ قرآن میں اشارہ ہے" ووجدک ضالا " (ضحیٰ)۔ بیٹے کا نام عبدالعزیٰ رکھا تھا، قریش کے بتوں کو سجدہ کیا اور کہا تلک الغرانیق العلی ان شفاعتھن لترتجی (طبری)۔ مسٹر مارگولیس نے لکھا ہے کہ "آنحضرتؐ اور خدیجہؓ دونوں سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا" (مسند حنبل ج ۴، ص ۲۲۲) مزید یہ کہا ہے کہ آپؐ نے عزیٰ کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بھیڑ ذبح کی تھی۔ ان کے مطابق آپؐ کا نام MAHOUND یعنی شہزادۂ تاریکی تھا۔ مارگولیتھ نے آپؐ کے نام ونسب کو تاریخی معمہ قرار دیا ہے۔ تھیوڈاس کے مطابق آپ والد انہ تھے تبھی تو محمد بن آمنہ کہا جاتا ہے۔ مارگولیس کے نزدیک نیچ ذات LOW BIRTH تھے۔ دلیل قریش کو تعجب کہ شریف خاندان سے نبی کیوں

نہ ہوا" وقالوا لولا نزل هذا القرآن على رجل من القريتين عظيم" لفظاً مولی کے ذریعہ خطاب سے انکار کیا۔ فتح مکہ کے دن فرمایا "آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا"۔ جین برڈر کے نزدیک حیوان تھے، فاقد عیسائیت تھے دلیل ان کے خلاف مدینہ میں یہودیوں سے معاہدہ کیا۔ نبوت نتیجہ تھی ان کی صوفیانہ خیالی یا خواب کا۔ میور کے مطابق اپنی مشن کے بارے میں خود مشکوک ومتذبذب تھے۔ منٹگمری واٹ کے نزدیک آپؐ کی نبوت کا سلسلہ برقرار نہیں رہا۔ دلیل یہ کہ مدنی زندگی کے ابتدائی زمانہ میں کچھ عرصہ یہود مدینہ سے مطالبہ نہیں کیا کہ وہ ان کو نبی ورسول تسلیم کریں۔ اینال وغیرہ نے آپ کو مکار، دغاباز، غدار اور کاذب کہا ہے۔ تھیوڈاس نے نبیذ پینے کی وجہ سے شرابی کہا ہے۔ ہیوم نے آپ کے خرق عادت کا انکار کیا اس کے نزدیک بلا اسباب وعلل کے کسی چیز کا وجود ناممکن ہے۔ ولیم میور، ڈریپر اور مارگولیوس کے نزدیک آپ نے مذہب کے حقائق واسرار یہودی وعیسائی سے لیا دلیل بحیرہ راہب وغیرہ سے تعلیم حاصل کی اور اخذ کیا۔ مشورہ مدینہ میں آپ کا مقام ومرتبہ غیر معین تھا۔ آپؐ نے قرآن کا طرز خطاب خطبات قس بن ساعدہ سے لیا تھا۔ ہجرت فرار کی راہ تھی۔ سیبون کیٹانی کے نزدیک محض معاشی بدحالی کی بنا پر ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ہجرت حبشہ کا سبب نجاشی کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دلانا تھا۔ پرنو، خوب سونے والے تھے۔ جے سی آر جے کے نزدیک آپؐ محض ایک صوفی اور مجذوب تھے۔ ڈوزی کا بیان ہے کہ آپ کا مزاج سوداوی تھا۔ موقع پرست ومفاد پرست تھے۔ وحی بطور خواب دیکھا کرتے تھے۔ نزول وحی کے وقت مرگی کا دورہ پڑتا تھا۔ عصابی مریض تھے، تشنجات کے آلۂ کار اور جاسوس تھے۔ کارلائل نے آپؐ کو جنگلی، بادیہ نشین، غیر مہذب، جنونی اور وحشیانہ آغوش فطرت کا پروردہ قرار دیا۔ ایک نیا اور جھوٹا مذہب جاری کیا۔ بہت بڑے تو صرف ایک معاشرتی وسماجی مصلح اور تھیوڈاس اور بارود کے نزدیک زینب بنت الحرث، نامی یہودیہ کے زہر کھلانے کی وجہ سے آپؐ کی وفات ہوئی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب برائے نمونہ

حق تو یہ تھا کہ ان تمام کا بالاستیعاب جواب دیا جاتا لیکن افسوس کہ صفحات کی تنگ دامانی تفصیل میں جانے سے روک رہی ہے۔ لہٰذا صرف موضوع کے دونوں پہلوؤں کی ایک ایک جہالت وعداوت کی مثال لے کر بطور نمونہ

جواب پیش کرتا ہوں تاکہ بقیہ کے سلسلے میں آپ خود سوچ لیں۔

جواب مسئلہ ختم نبوت

(۱) سورہ احزاب کی دسویں آیت میں مذکور لفظ خاتم النبیین سے مراد تمام اہل لغت اور اہل تفسیر نے بالاتفاق آخر النبیین لیا ہے۔

(۲) حدیث شریف ہے قال النبی کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء (بخاری)

(۳) صحابہ کرام کے اجماع کی دلیل یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو تمام صحابہ کرامؓ نے اس سے جنگ کی۔

(۴) علمائے امت کا بھی آپؐ کے خاتم النبیین ہونے پر اتفاق ہے۔ مولانا مودودیؒ نے ہر صدی کے علماء کے بیانات اپنی کتاب "ختم نبوت" میں پیش کئے ہیں میں صرف امام اعظمؒ کا قول پیش کرتا ہوں۔ ایک شخص نے آپ کے زمانے میں نبوت کا دعویٰ کر کے علامت نبوت پیش کرنے کا موقع مانگا تو اس پر آپ نے فرمایا "جو شخص اس سے نبوت کی کوئی علامت طلب کرے گا وہ بھی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں "لا نبی بعدی" (مناقب الامام الاعظم ج ۱، ص ۱۶۱)

(۵) اور نبی جدید تو اس وقت آتا ہے جب کہ سابق نبی کسی خاص علاقہ کے لئے آیا ہو یا اس کی تعلیم محفوظ نہ رہی ہو یا تعلیم مکمل نہ ہوئی ہو یا کسی مددگار کی ضرورت ہو لیکن اب اس میں سے کسی کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

(۶) نئی نبوت امت کے لئے رحمت نہیں بلکہ زحمت ہے کیونکہ سوال پیدا ہوگا کہ کس کی پیروی کی جائے

(۷) مسیح موعود کے سلسلے میں ۲۱ روایتیں ہیں لیکن کسی میں مثیل مسیح کا ذکر نہیں بلکہ اصل عیسیٰ ابن مریم آئیں گے لیکن بحیثیت نبی نہیں اور ان کے نہ ماننے پہ کفر و ایمان کا سوال نہ پیدا ہوگا بلکہ فتنۂ دجال کے استیصال کے لئے بھیجے جائیں گے پھر کیسے کوئی آپ کے بعد نبی ہو سکتا ہے؟

جواب آپؐ نے راہب سے دین کے اسرار و رموز سیکھے

یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ اس روایت کے جس قدر طریقے ہیں سب مرسل ہیں یعنی راوی اس واقعہ کے وقت خود موجود نہیں تھا اور اس راوی کا نام نہیں بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا۔ اس حدیث کے آخیر راوی ابو موسیٰ اشعریؓ

ہیں جو شریک واقعہ نہیں تھے کیونکہ وہ تو سنہ ۷ھ میں مسلمان ہو کر یمن سے مدینہ آئے تھے۔ سب سے مستند طریقہ ترمذی کا ہے لیکن تین قابل لحاظ پہلو ہیں: (۱) ترمذی نے لکھا ہے "حسن اور غریب ہے" اور ہم اس حدیث کو اس طریقے کے سوا کسی اور طریقے سے نہیں جانتے۔ (۲) راوی حدیث عبدالرحمن بن غزوان بعض کے نزدیک گرچہ ثقہ ہیں لیکن اکثر اہل فن بے اعتباری ظاہر کرتے ہیں۔ علامہ ذہبی "میزان الاعتدال" میں لکھتے ہیں "عبدالرحمن منکر حدیثیں بیان کرتا ہے جس میں سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس میں بحیرا کا واقعہ مذکور ہے۔" (۳) اس روایت میں مذکور ہے کہ بلالؓ و ابوبکرؓ اس سفر میں ساتھ تھے حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہیں تھا اور ابوبکرؓ بچے تھے۔ اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو بحیرا کے تعلیم دینے کا ذکر کہیں نہیں۔ مزید یہ کہ صرف ایک بار تھوڑی دیر ملاقات رہی بھلا اتنی دیر میں کیسے عالم گیر مذہب کے اسرار و رموز ایک ۱۲ سالہ بچہ سیکھ سکتا ہے جب کہ اس نے اب تک کچھ نہ پڑھا ہو، اور کیونکر کوئی اسے بلا کم و بیش تیس سال تک محفوظ رکھ کر لوگوں کو وقفہ وقفہ سے بلا تفاوت دے سکتا ہے اور اگر اسے خرق عادت یا معجزہ مان لیا جائے تو بھلا بحیرا سے فیض کی کیا ضرورت تھی اور اگر آپ کی تعلیمات عیسائیت سے ماخوذ ہیں تو کیوں نہیں وہ اپنی تعلیمات کی بنیاد پر [illegible] انقلاب بپا کر سکے جیسا کہ آپ نے کیا اور [illegible] انسانیت کو عطا کرتے [illegible] بھی سورہ فرقان آیت ۴-۵-۶ میں موجود ہے۔

لفظ آخر

جس طرح انسان کے مادی وجود کے لئے ہوا، پانی اور غذا ضروری ہے اسی طرح انسان کے روحانی زندگی کی بقا کے لئے تعلیم و تزکیہ اور اوصاف حمیدہ سے مزین ہونا ضروری ہے اور اس ضرورت کی تکمیل کے لئے اللہ نے انبیاء کا سلسلہ جاری کیا جن کی آخری کڑی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور اب آپؐ کے بعد آپؐ کی سیرت ہی سے وہ کام پورا ہوگا۔ تو جس طرح ہوا، پانی وغیرہ کے عدم استعمال یا غلط استعمال سے مادی وجود کی بقا ناممکن ہے اسی طرح آپؐ کی سیرت کے عدم استعمال یا غلط استعمال یا کمی و بیشی سے انسان کے روحانی وجود کی بقا ناممکن ہے۔ لہٰذا ہر ایک پہ لازم ہے کہ سیرت رسولؐ کو مکمل اور صحیح طور پہ سمجھے اور اس کا صحیح استعمال کرے ورنہ تباہی ہی تباہی ہے۔ اللہ ہمیں غلط سے بچائے اور صحیح کی توفیق دے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے اسلامی دور کی شاعری میں قرآن کا پرتو

تحریر: عبدالہادی صاقی ۔ ترجمانی: جاوید احمد محمد زبیر

سیدنا حضرت حسان بن ثابتؓ تحریک اسلامی کے وہ شیریں بیان اور رواں زبان شاعر تھے جن کی زندگی کا آخری نصف حصہ اسلام اور اہل اسلام کی حمایت و دفاع میں صرف ہوا۔ آپؓ نے اسلامی دور کی شاعری میں تحریک اسلامی پر آنے والے مصائب و آلام اور اس کی آرزوؤں اور تمناؤں کی نقش کشی کی ہے نیز اسلامی فتوحات اور کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔

آئندہ سطور میں ہم حسان بن ثابتؓ کی شاعری پر قرآن مجید کے لغوی و معنوی اثرات کا جائزہ لیں گے۔ آپ کے اسلامی دور کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں آپؓ کی قرآن کریم سے گہری اور نمایاں اثر پذیری کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ اس دور کے قصائد قرآن مجید کے مخصوص الفاظ و اصطلاحات اور جمل و تراکیب سے آراستہ نظر آتے ہیں جن سے معنی مقصود کے اظہار و بیان کو تقویت حاصل ہوتی ہے۔

مزید برآں ان قصائد کو پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم قرآن مجید کی وسیع فضا میں سانس لے رہے ہوں۔ اس باب میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت حسانؓ نے بھی دوسرے صحابہ کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر یاد کیا اور اس کی تلاوت کی جس سے یقینی طور پر آپ کے دل میں بھی فکری بلندی اور گہرا شعور پیدا ہوا۔ سو اگر ہم حضرت حسانؓ کو کلام الٰہی (قرآن مجید) کے چشمۂ صافی سے سیراب ہوتے اور اس کے عظیم معانی کے بحر میں غوطہ لگاتے، نیز اس کی آیات کی ضیا پاشیوں سے استفادہ کرتے دیکھتے ہیں تو یہ کوئی قابل تعجب امر نہیں۔

حضرت حسانؓ نے اپنے جن قصائد میں قرآنی الفاظ استعمال کئے ہیں ان میں خصوصیت

کے ساتھ وہ قصیدہ طویل ہے جس میں آپ نے مشرکین مکہ کے مقتولین کا انجام اور غزوہ احد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے اخروی جزا کا ذکر کیا ہے۔ اس قصیدے کے تین اشعار بطور استشہاد ملاحظہ ہوں:

فإن تذكروا قتلى وحمزة فيهم   قتيل ثوى لله وهو مطيع

اگر تم شہدائے احد کے تذکرے کرو کہ جن کے درمیان حضرت حمزہؓ بھی فروکش ہیں، بایں حال کہ وہ خدا کے مطیع و فرماں بردار تھے۔

فإن جنان الخلد منزلة بها   وأمر الذي يقضي الأمور سريع

تو ان کا ٹھکانا ابدی باغات ہیں، معاملات کا فیصلہ کرنے والے (خدا) کے فیصلے میں دیر نہیں لگتی۔

وقتلاكم في النار أفضل رزقهم   حميم معا في جوفها وضريع

اور اے مشرکو! تمہارے مقتولین کا ٹھکانہ جہنم ہے جہاں ان کی اعلیٰ درجہ کی خوراک تھوہر اور کھولتا ہوا پانی ہے۔

ان اشعار میں "جنان الخلد" اور "النار" کے الفاظ قرآن مجید کی بیشتر سورتوں میں وارد ہوئے ہیں۔ حمیم اور ضریع کے الفاظ "لهم شراب من حميم" اور "ليس لهم طعام إلا من ضريع" سے ماخوذ ہیں۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جب حضرت حسانؓ غزوات نبیؐ کے احوال اپنے اشعار میں قلمبند کرتے ہیں اور جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے یا آپؐ پر مرثیہ کہتے ہیں تو قرآن مجید کے اسلوب سے آپ کو خاصی قوت حاصل ہوتی ہے چنانچہ وہ قصیدہ جس میں حضرت حسان بن ثابتؓ نے غزوہ احزاب کے واقعات بیان کئے ہیں بارگاہ الٰہی میں اپنے رنج و الم اور دشمنان اسلام کی رسول اکرمؐ کے خلاف شر انگیزیوں اور چیرہ دستیوں کا شکوہ کرتے ہیں جبکہ عرب کے اہل شہر اور بادیہ نشین دونوں ہی رسول محمدؐ کے قتل (نعوذ باللہ من ذالک) کی آرزو کر رہے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کی فوجوں کی تیز و تند ہواؤں اور اپنے خاص فرشتوں کے ذریعہ بیخ کنی کر کے مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ چند اشعار اور ترجمہ ملاحظہ ہوں:

حتی اذا وردوا المدینة وارتجوا   قتل النبی ومغنم الاسلاب

یہاں تک کہ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے اور نبی کریمؐ کے قتل (نعوذ باللہ من ذالک) اور اموالِ غنیمت کے حصول کی آرزو کرنے لگے

وغدوا علینا قادرین بأیدیهم   ردوا بغیظهم علی الأعقاب

اور اپنی طاقت وقوت کے بل پر ہم پر حملہ آور ہوئے تو ان کے غصے کے ساتھ انھیں واپس پھیر دیا گیا

بهبوب معصفة تفرق جمعهم   وجنود ربك سید الأرباب

تیز وتند ہواؤں کے چل پڑنے اور آقاؤں کے آقا تیرے پروردگار کی فوجوں کی مدد سے ان کی ساری جمعیت پراگندہ ہو گئی۔

ان اشعار کے علاوہ بھی ہمیں حضرت حسانؓ کے یہاں بہت سے اشعار ملتے ہیں جن پر قرآن کریم کے الفاظ ومفردات اور جمل وتراکیب کے استعمالات کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:

وکفی الإله المؤمنین قتالهم   وأثابهم فی الأجر خیر ثواب

اللہ تعالی مسلمانوں کے دفاع کے لئے کافی تھا اور اس نے انھیں بہترین بدلہ اور اجر وثواب سے نوازا

من بعد ما قنطوا ففرج عنهم   تنزیل نص ملیكنا الوهاب

جبکہ مسلمان مایوس اور شکستہ دل ہو گئے تھے چنانچہ خدائے بادشاہ وداتا نے وحی کے ذریعہ ان کے دلوں سے رنج وغم دور کر دیا۔

فاقر عین محمد وصحابه   وأذل كل مكذب مرتاب

اور محمدؐ اور آپؐ کے صحابہؓ کی آنکھیں ٹھنڈی کیں اور ہر اس جھٹلانے والے شکی کو ذلت ورسوائی سے دوچار کیا

مستشعر للكفر دون ثیابه   والكفر لیس بطاهر الأثواب

جو کفر کو شعار[1] (بنائے) پہنے ہوئے ہے نہ کہ ظاہری لباس اور یہ واقعہ ہے کہ کفر ناپاک ہوتا ہے۔

---

[1] شعار جسم سے متصل لباس کو کہتے ہیں اس کا مقابل لفظ دثار ہے جو اوپر کا گرم لباس کیلئے بولا جاتا ہے یہاں

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

ان اشعار کے مفہوم کو قرآنی آیات کے موافق بنانے میں زیادہ محنت [illegible] نہیں۔ پہلا شعر ماخوذ ہے آیت "وکفی اللہ المؤمنین القتال" سے، اسی طرح قنطوا، تنزیل، الأجر، الثواب، الوہاب، الکفر اور الأثواب کے الفاظ بھی شاعری کے خوبصورت ہار میں جڑے ہوئے گوہر آبدار نظر آتے ہیں۔

نبی کریمؐ کی ہجرت مدینہ کے نتیجہ میں مشرکین مکہ کی نامرادی وگمراہی اور ان کی بدبختی وشامت اعمال، نیز اہل مدینہ کی ایمان وہدایت سے سرفرازی کی تصویر کشی کرتے ہوئے بھی وہی الفاظ اور اسلوب بیان اختیار کرتے ہیں جسے قرآن نے شرک وایمان اور گمراہی وہدایت کے درمیان موازنہ کے لئے اپنایا ہے۔ مثال کے طور پر:

لقد خاب قوم غاب عنهم نبیهم   وقدس من یسری الیهم ویغتدی

وہ لوگ ناکام ونامراد ہو گئے جن کے پاس سے ان کے نبیؐ نے ہجرت کی اور بابرکت اور لائق احترام ہیں وہ لوگ جن کے پاس وہ (نبیؐ) صبح وشام چلتے ہیں۔

ترحل عن قوم فضلت عقولهم   وحل علی قوم بنور مجدد

ہمارے نبیؐ کچھ لوگوں کو چھوڑ کر چلے آئے ہیں، اس وجہ سے ان کی عقلیں غائب ہو گئی ہیں اور آپ کی رفاقت ایسے لوگوں کے درمیان ہے جن کو ایک نئی روشنی ملی ہے۔

هداهم به بعد الضلالة ربهم   وأرشدهم من یتبع الحق یهتدی

اس نبیؐ کے ذریعہ ان کے رب نے انھیں سیدھی راہ دکھائی ہے اور رشد وہدایت کا سامان فراہم کیا ہے اور جو شخص بھی حق کی پیروی کرے گا وہ ہدایت سے ہمکنار ہوگا۔

وهل یستوی ضلال قوم تسفهوا   عمی وهداة یهتدون بمهتد

کیا کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ گمراہ ونادان اور حق کی راہ دکھانے والے ہدایت یاب برابر ہو جائیں۔

حضرت حسانؓ نے دثار کی جگہ ثیاب کا لفظ استعمال کیا ہے جو جسم سے دور ظاہری اور اوپری لباس کے لیے مستعمل ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ کفر وشرک ان کے جسموں سے چپکا ہوا ہے۔ دوسرے لفظوں میں کفر ان کے ذہن ودماغ اور رگ وپے میں پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔

لقد نزلت منه علی اهل یثرب   رکاب هدی حلّت علیهم باسعد

اس نبی کی بدولت مدینہ والوں پر ہدایت کا قافلہ اپنی تمام برکتوں اور سعادتوں کے ساتھ نازل ہو چکا ہے

نبی یری مالا یری الناس حوله   ویتلو کتاب اللّٰه فی کل مسجد

ہمارے نبیؐ کی نگاہ تمام لوگوں کی نگاہ کے مقابلہ میں دور رس ہے۔ آپ ہر نماز میں کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ فتح مکہ سے پہلے رسول اکرمؐ کی مدح کرتے ہوئے مشرکین مکہ کو تہدید آمیز انداز میں چیلنج کرتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

فاما تعرضوا عنا اعتمرنا   وکان الفتح وانکشف الغطاء

اگر تم ہم سے تعرض نہ کرو تو ہم عمرہ کر کے واپس چلے جائیں گے اور یقیناً فتح ہماری ہوگی اور تمہاری غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو جائے گا۔

والا فاصبروا لجلاد یوم   یعز اللّٰه فیه من یشاء

اور اگر تم اس پر آمادہ نہ ہو تو پھر اس روز کی شمشیر زنی کا انتظار کرو جب کہ اللہ جسے چاہے گا عزت و غلبہ عطا فرمائے گا

وجبریل امین اللّٰه فینا   وروح القدس لیس له کفاء

اس روز جبریل امین بھی ہمارے ساتھ ہوں گے اور روح القدس یعنی جبریلؑ کا کوئی ہمسر نہیں

ان اشعار میں اسلام کے عطا کردہ اسالیب کی روح نمایاں ہے۔ چنانچہ اعتمرنا اور الفتح کے الفاظ قرآن کریم ہی سے مستفاد ہیں۔ "یعز اللّٰه فیها من یشاء" بھی قرآن ہی کا اسلوب بیان ہے۔ "جبریل امین اللّٰه فینا" آیت "نزل به الروح الامین" اور لفظ روح القدس "قل نزله روح القدس" اور آیت "وایدناه بروح القدس" سے مستفاد ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کے اسلامی دور کی شاعری میں قرآن مجید نے جو اثر ڈالا ہے اس کا صحیح اندازہ ان قصائد پر سرسری نگاہ ڈالنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے جن میں آپؓ نے رسول اکرمؐ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمہ یا تو آپ کی زندگی ہی میں بیان فرمائے یا آپ کی وفات کے بعد مرثیے کے انداز میں پیش کئے ہیں۔ اس طرح کے قصائد میں

حسانؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جن کے تذکرے متعدد بار قرآن مجید کی سورتوں میں ہوئے ہیں۔ یہاں وہ اشعار نقل کئے جا رہے ہیں:

فینا هدی فی نعمة اللّٰه بینهم   دلیل به نهج الطریق یقصد

وہیں اشارہ کہ مسلمان اللہ کی ایک عظیم نعمت سے بہرہ مند ہو رہے تھے یعنی ایک ایسے ہادی و رہبر سے جس کے ذریعہ روشن راہ اپنائی جاتی تھی۔

عزیز علیه ان یحیدوا عن الهدی   حریص علی ان یستقیموا ویهتدوا

وہ عظیم ہستی کہ جس پر لوگوں کا راہ راست سے ہٹنا بڑا گراں گزرتا تھا اور جو ہستی اس بات کی متمنی تھی کہ لوگ صراط مستقیم اختیار کر کے راہ یاب ہو جائیں۔

عطوف علیهم لا یثنی جناحه   الی کنف یحنو علیهم ویمهد

ان کی ذات لوگوں پر بڑی مہربان تھی، اپنا بازوئے شفقت کسی اور جانب نہیں پھیرتی تھی اور ان کے ساتھ انتہائی محبت و شفقت سے پیش آتی تھی۔

فبیناهم فی ذلک النور اذ غدا   الی نورهم سهم من الموت مقصد

لوگ اس روشنی سے فائدہ اٹھا رہے تھے کہ ناگاہ موت کے تیر بہدف نے آپ کی زندگی کا چراغ گل کر دیا

فاصبح محمودا الی اللّٰه راجعا   یبکیه حق المرسلات ویحمد

سو آپ اللہ کے پاس اس حال میں لوٹے کہ آپ لائق ستائش تھے۔ فرشتے آنسو بہا رہے تھے اور تعریفیں کر رہے تھے۔

شاعر موصوف نے اس نظم میں اس آیت کریمہ کا خلاصہ پیش کر دیا ہے جس میں قرآن مجید نے رسول اللہ صلعم کے اخلاق و عادات اور سیرت طیبہ کی تصویر پیش کی ہے ملاحظہ ہو:

لقد جاءکم رسول من انفسکم   تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آچکا ہے

عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم   جس پر تمہارا زحمت و مشقت میں مبتلا ہونا گراں گزرتا ہے۔ وہ تمہاری ہدایت کا دلدادہ ہے

بالمؤمنین رؤف رحیم   مومنین کیلئے انتہائی رحم دل اور مہربان ہے۔

(التوبہ ۱۲۸)

اس قصیدے کے بعض اشعار ملاحظہ فرمائیں جو مدح نبوی میں قلمبند کئے گئے ہیں۔ یہاں بھی

قرآن سے اخذ و استفادہ کے آثار ہویدا ہیں۔

۱- نبی أتانا بعد یأس و فترة   من الرسل والأوثان فی الأرض تعبد

مایوسی و ناامیدی اور بعثت انبیاء کے ایک طویل وقفے کے بعد ہمارے درمیان ایک نبی مبعوث ہوئے جبکہ زمین پر بتوں کی پوجا ہو رہی تھی

۲- فأمسى سراجاً مستنیراً وهادیاً   یلوح كما لاح الصقیل المهند

سو آپ ہمارے لئے ایک روشن چراغ راہ ثابت ہوئے جو اس طرح چمکتا ہے جیسے صیقل کردہ ہندی تلوار

۳- وأنذرنا ناراً وبشر جنة   وعلمنا الإسلام فالله نحمد

انھوں نے ہمیں جہنم سے ڈرایا اور جنت کی خوشخبری دی اور ہمیں اسلام سکھایا سو ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں

۴- وأنت إله الحق ربی وخالقی   بذلك ما عمرت فی الناس أشهد

اے ہمارے معبود حقیقی تو ہی ہمارا پروردگار اور خالق ہے۔ میں تاحیات لوگوں میں اسی کی شہادت دیتا رہوں گا

۵- تعالیت رب الناس عن قول من دعا   سواك إلهاً أنت أعلى وأمجد

اے ہمارے پروردگار تو مشرکوں کی افتراپردازی سے پاک اور تو ہی بزرگ اور برتر ہے

۶- لك الخلق والنعماء والأمر كله   فإیاك نستهدی وإیاك نعبد

تو ہی ساری مخلوقات اور آسائشوں کا مالک ہے۔ فیصلے کا تمام تر اختیار تیرے ہاتھ میں ہے۔ سو ہم تجھ سے سیدھی راہ کے طالب ہیں اور تیری ہی پرستش کرتے ہیں۔

حضرت حسانؓ کی شاعری میں حسن و جمال اور دلکشی دراصل اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ آپؓ نے قرآن مجید سے منتخب اور چیدہ الفاظ مستعار لئے ہیں۔ جدید فنی محاسن کے استعمال نے آپ کے ذہن و فکر میں اور زیادہ تابناکی و روشنی پیدا کر دی ہے۔ مثال کے طور پر: فأمسى سراجاً مستنیراً وهادیاً قرآن مجید کی آیت "وداعیاً إلى الله بإذنه وسراجاً منیراً" سے ماخوذ ہے۔ اسی طرح فإیاك نستهدی وإیاك نعبد تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ سورۂ فاتحہ کی آیت "إیاك نعبد وإیاك نستعین" کا ماحصل

نیز "لك الخلق والنعماء والأمر كله" آیت "ألا له الخلق والأمر" سے مستفاد ہے۔

سیدنا حضرت حسانؓ بن ثابت نے رسول اکرمؐ کے ساتھ انبیائے سابقین پر ایمان کا اظہار کرتے ہوئے تلمیح کے انداز میں ان رسولوں کے نام گنائے ہیں جن کے حالات و واقعات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

۱- شهدت بإذن الله أن محمداً   رسول الذی فوق السماوات من عل

میں خدائے بزرگ و برتر کی توفیق سے گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس عظیم ہستی کے فرستادہ ہیں جو بلند آسمانوں پر متمکن ہے۔

۲- وأن أبا یحیى ویحیى كلیهما   له عمل فی دینه متقبل

اور یہ کہ ابو یحییٰ یعنی حضرت زکریا اور یحییٰ علیہم السلام نے ایسے عمل کئے ہیں جو شرف قبولیت پا چکے ہیں۔

۳- وأن الذی عادى الیهود ابن مریم   رسول أتى من عند ذی العرش مرسل

جن سے یہود نے عداوت مول لی وہ حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں جو عرش والے کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔

۴- وأن أخا الأحقاف إذ یعذلونه   یقوم بدین الله فیهم فیعدل

اس بات کی بھی شہادت دیتا ہوں کہ اخو الاحقاف جنھیں ان کی قوم کے لوگ لعن طعن کیا کرتے تھے وہ دین خداوندی کے نگہبان اور عدل و انصاف قائم کرنے والے تھے۔

اس مطالعہ کی روشنی میں یہ بات پوری طرح آشکارا ہو گئی کہ سیدنا حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کی روح اور ان کی شاعری قرآن مجید کے نور سے منور تھی۔ قرآنی معانی و مفاہیم آپ کے دل و دماغ میں اتر چکے تھے۔ قرآنی الفاظ و مفردات آپ کے شاعرانہ وجود میں پوری طرح راسخ و مستحکم ہو چکے تھے اور ممتاز اسلامی قصائد کی شکل میں لڑیوں میں پروئے ہوئے موتیوں کے مانند آپؓ کی زبان سے ڈھل ڈھل کر نکلا کرتے تھے۔ ••

پہلی قسط

ابن قتیبہ — تیسری صدی ہجری کا متکلم اسلام

جناب توقیر عالم فلاحی۔ ریسرچ اسکالر شعبہ عربی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

فتح و غلبہ اور عروج و اقبال کے لحاظ سے عہد عباسی ایک ممتاز ترین دور ہے۔ ظاہری ترقیوں کے ساتھ ہی ساتھ معنوی ترقیاں بھی خوب سے خوب تر ہوئیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بنو امیہ کے مقابلے میں ان کی حکومتی پالیسیوں میں بڑی کشش تھی۔ غیر عربوں کا عربوں سے میل جول اور سلطنت و حکومت کے معاملے میں ان کی غیر جانبدارانہ پالیسیوں نے عجمیوں کو اپنے حلقے میں شامل کر لیا تھا۔ لوگ اب شانہ بشانہ چل کر ترقی کی راہ پر گامزن تھے۔ چنانچہ بہت سارے صوبے اور شہر زیر اثر ہو گئے اور فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہو گیا۔ تصویر کا یہ ایک رخ ہے۔ عہد عباسی کے پر حکمت طریقۂ عمل کا خاصا اثر تہذیب و تمدن اور علم و فکر پر پڑا یہ ایک دوسرا رخ ہے جو نہایت ہی درخشاں ہے۔

یہ ایک صداقت ہے کہ اقوام و ملل کی زندگی میں علمی ترقی اور فکری بالیدگی ایک روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی ترقی کے زینوں کو طے کر کے قوم اقوام عالم میں شہرت و احترام کا مقام حاصل کرتی ہے اور اسی بیش قیمت سرمایۂ زندگی کے حصول کے بعد کوئی قوم اپنے مد مقابل سے آنکھ سے آنکھ ملا کر بات کر سکتی ہے۔ اگرچہ اسلام کی صبح درخشاں کے طلوع ہو جانے سے لوگوں کے فکر و خیال کا زاویہ بدل گیا، سوچنے سمجھنے کے انداز بدل گئے، حق و باطل اور غلط و صحیح کے معیارات میں تبدیلی رونما ہوئی، غرضیکہ احساسات و تصورات میں گیرائی اور گہرائی پیدا ہو گئی اور ذہنی و فکری انقلاب رونما ہوا لیکن یہ حقیقت ہے کہ علم و ادب کے خزینے نہ تو خلفائے راشدین کے عہد میں بھرے اور نہ ہی عہد بنی امیہ میں۔ (ہاں خلافت عباسیہ کے ہی سر علوم و افکار کی ترویج و اشاعت کا سہرا بندھتا ہے) ہاں۔ عہد عباسیہ ہی وہ زریں عہد ہے جس میں مختلف قسم کے علوم و فنون پختہ ہوئے۔ داخلی اور خارجی علوم کی ترویج و

اشاعت ہوئی، نیز شعراء، ادباء اور نقادوں کا قافلہ شعر و ادب اور تلاش و تحقیق کے میدان میں اپنی تمام تر نشاط کے ساتھ سرگرم عمل رہا جس کے نتیجے میں ایک طرف متنبی، المعری، ابو نواس اور بشار بن برد جیسی شخصیتیں منظر عام پر آکر شعر و شاعری کی تقدیر بدل دیتی ہیں۔ تو دوسری طرف جاحظ عبد اللہ بن مقفع، مبرد، صولی اور ابو علی القالی جیسے فرزندان ادب انشاء پردازی کو توجہات کا مرکز بناتے ہوئے اسکی اصل معراج تک پہنچا دیتے ہیں۔

مختصر حالات زندگی

اسی قافلہ علم و تحقیق میں رہبر اور رہنما کی حیثیت سے ابن قتیبہ کی یکتائے روزگار شخصیت منظر شہود پر آتی ہے۔ ۲۱۳ھ میں پیدا ہوا۔ کچھ مدت اقلیم جبل میں دینور کے قاضی کے فرائض انجام دینے کے بعد مسند تدریس سنبھالی اور وہیں رجب ۲۷۶ھ میں اس عالم فانی سے کوچ کر گیا۔ عربی روایت میں اسے بغداد کے نام نہاد مخلوط یا انتخاب پسند دبستان نحوی کا ایک نمائندہ سمجھا جاتا ہے۔ [1] اس نے وقت کے اعلیٰ ہوتے اساتذہ اصمعی، ابو حاتم، ابو عبیدہ ابن الاعرابی، ابو عمر الشیبانی یونس اور ابو زید کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا اور بڑی لگن و کاوش سے اپنے کاسۂ علمی کو پر کیا۔ [2] ابن قتیبہ انتہائی خلیق و ملنسار تھا وہ جو کچھ بھی کہا کرتا تھا اس میں حق و صداقت کا رخ زیبا موجود ہوتا تھا [3] ابن قتیبہ ادب عربی کے ایک فرزند عزیز کی حیثیت سے کامیابی کے معراج تک پہنچا۔ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے لیکن اس کی ادبی صلاحیتوں کا رخ کس سمت میں ہے اس سلسلے میں بعض لوگوں نے اس پر خروج کا الزام لگایا ہے مثلاً حاکم کا کہنا ہے کہ امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابن قتیبہ کذاب ہے اور اس کے بارے میں یہ بھی کہا ہے کہ وہ انتہائی بدزبان تھا جو عام طور پر بڑے لوگوں کی عادت ہوا کرتی ہے [4] دارقطنی کہتے ہیں کہ قتیبہ تشبیہ کی طرف مائل تھا۔

البیہقی ابو بکر، احمد بن حسین کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ کرامیہ کی رائے کو قابل لحاظ تصور کرتا تھا۔

ابن تغری کہتے ہیں مشبہہ کی طرف رجحان رکھتے اور کرامیہ کی طرف مائل ہونے کے

علاوہ وہ بڑا گستاخ اور بدزبان بھی تھا۔

حاکم، دارقطنی، بیہقی، اور ابن تغری ان آراء و افکار کی روشنی میں ابن تیمیہ ایمان و عقیدہ کے معاملے میں تردد و تذبذب کا شکار نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب ابن قتیبہ کے دور کو پیش نظر رکھا جائے، معتزلہ کی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے اور نظام و جاحظ کی ادبی کاوشوں کو عقیدہ و عمل کے ترازو میں پرکھا جائے تو چشمک و رقابت اور تعصب و جانبداری کے حصار سے نکل کر کوئی شخص بھی ابن قتیبہ کی فضیلت و برتری اور صداقت و دینداری کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہے گا۔

ابن قتیبہ۔ معاصر فرق و تحریکات کے مقابلے میں

بلاشبہ مامون جب مسند خلافت پر آیا تو اس نے علماء اور ادباء کی خوب قدر کی۔ لوگوں کو پورے طور پر حریت و آزادی کا پروانہ دے دیا۔ اسی فکری آزادی کی بنا پر معتزلہ کا گروپ سامنے آیا جس کے علمبردار خلق قرآن، صفت بالذات، اعجاز القرآن کو موضوع بحث بنا کر علمائے اہل سنت کے بالمقابل میدان مقابلہ میں کود پڑے۔ جاحظ اس جماعت کی پیشوائی کا علم لئے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا۔ ضرورت متقاضی تھی کہ خواہ مخواہ کی آ[و]یزش کرنے والوں اور بے جا حریت و آزادی کا راگ الاپنے والوں کی آراء و افکار کا مواخذہ کیا جائے۔ اس صورت حال میں ابن قتیبہ معتزلہ، جہمیہ اور مشبہہ کے آراء و افکار پر تیشہ زنی کر کے اہل سنت کی نمائندگی کرنے کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں وہ معتزلیوں کے فکر پر تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ پیچیدہ دینی مسائل میں فہم و قیاس کے ذریعہ فیصلہ کرنا انحراف و سرکشی کو دعوت دینا ہے۔ ان معاملات (صفات باری تعالیٰ، جنت کی نعمتوں اور جہنم کی نقمتوں وغیرہ) میں حدیث کی طرف رجوع کریں اور اس میں جو متعلق چیزیں سمجھ میں آئیں انھیں مان لیں۔ ۵ معتزلہ کی قرآنی تفسیر کے سلسلے میں ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر بڑے عجیب و غریب انداز سے کی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ قرآن مجید کو تمام سابق طریقوں اور خود ساختہ معیارات کے مطابق لا کھڑا کریں۔ ۶ اپنی کتاب "تاویل مشکل القرآن" میں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو

ملحدوں نے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا، بے جا اعتراضات کئے، اس میں لغو تاویلات کو جگہ دی اور "ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ" کے اتباع کا عملی ثبوت دیا۔ اس میں محض ان کی بے بصری اور کوتہ چشمی کا دخل ہے نتیجہ یہ ہوا کہ قرآنی تعلیمات کو ان کے مواقع و محل سے دور کر کے انحراف کا ثبوت دیا گیا۔ ۷

ابن قتیبہ زمانے کے نباض کی حیثیت سے ان سنگین ترین حالات میں سامنے آتے ہیں اور علماء اہل سنت کی تائید و حمایت میں مرد میدان بن جاتے ہیں اور قرآن و سنت سے متعلق اپنے مقدس جذبات کو تاویل مشکل القرآن، تاویل مختلف الحدیث، الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجہمیۃ والمشبہۃ اور المسائل والاجوبۃ جیسی مشہور ترین تصنیفات میں جامۂ عمل پہناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے عقیدے میں فرق دیکھی، شرعی احکام و فرائض میں تبدیلی و تحریف دیکھی تو مجھ سے رہا نہ گیا اور کتاب اللہ کو خالص کر کے پیش کرنے کا ارادہ کر لیا اور چاہا کہ میں دلائل و براہین کے ذریعہ ان کے اعتراضات کا جواب دوں اور شکوک و شبہات کی دیوار مسمار کر دوں۔ ۸

مذکورہ بالا باتوں اور خود ابن قتیبہ کے بیانات کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ابن قتیبہ تیسری صدی ہجری کے اضطراب و کشمکش کے دور میں اسلام دشمن تحریکوں اور تنظیموں کے بالمقابل سینہ سپر رہے اور عوام کو بدعقیدگی کی آلائشوں سے نکال کر شاہراہ مستقیم دکھلانے میں مقدمۃ الجیش کا فریضہ انجام دیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ابن قتیبہ تیسری صدی کے نصف اخیر میں اہل سنت ہی کے ہو کر رہے۔ بہت ساری ایسی کتابیں تصنیف کیں جن میں سنت و حدیث کے مسائل و معاملات سے بحث ہے۔ نیز ان شکوک و شبہات کا کافی و شافی جواب موجود ہے جو معتزلہ نے سنت و حدیث سے متعلق اپنے دلوں میں پیدا کر لئے تھے۔ انھوں نے ہمیشہ ہی اہل سنت کی دفاع کی ہے۔ علم و عقیدہ میں ان کے ہی نظریات و مناہج کو حق جانا ہے۔ ۹

ابن خلکان کہتے ہیں کہ ابن قتیبہ ان لوگوں میں تھے جن کی آنکھیں تلاوت کلام پاک کے وقت اشک بار ہو جاتی ہیں۔ جب وہ عہدۂ قضا سے برطرف ہو گئے تو اس نے قنوت اختیار کر لی

اس دوران وہ تمام تخیلے اور فیصلے ذہن و دماغ میں گردش کیا کرتے تھے جو پچھلے دور قضاء میں کئے تھے اور پھر وہ رونے لگتے تھے۔ وہ اپنے ہی نفس کو خطاب کر کے کہتے تھے اے بکار! تمہارے پاس دو آدمی اپنے معاملات کو لے کر آئے اور تم نے ایسا ایسا فیصلہ کیا۔ یوم الحساب میں تمہارا جواب کیا ہوگا۔[10]

ابن قتیبہ کا دور، خلیفہ مامون کی بے جا رواداری کے نتیجے میں اہل رائے حضرات کی جماعتوں کا وجود میں آنا، قرآن و سنت سے متعلق ابن قتیبہ کے پاکیزہ جذبات و احساسات، اور قابل قدر تصنیفات اور حقوق العباد سے متعلق حفظ و احتیاط یہ تمام چیزیں اس امر پر شہادت فراہم کرتی ہیں کہ ابن قتیبہ وقت کی ایک ضرورت بن کر سامنے آئے۔ اختلاف و اعتراض، ابن قتیبہ کے صالح جذبات اور گرانقدر خدمات کو داغدار نہیں کرتا اور یہ تو ہونا ایک فطری چیز ہے کیونکہ بہت سارے خیالات ایسے ہو سکتے ہیں جو کسی کے نزدیک قابل احترام اور باوزن ہو سکتے ہیں اور یہی خیالات ایک دوسرے فرد کے نزدیک بے وقعت اور ناقابل لحاظ ہو سکتے ہیں بالخصوص ایسا شخص تو اختلافات و اعتراضات کا نشانہ ضرور بنتا ہے جس نے علوم و فنون کے مختلف میدانوں میں طبع آزمائی کی ہو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ تو نیک نیتی اور خلوص کے ساتھ اختلافات کرتے ہیں اور کچھ دوسرے معاصرانہ چشمک، ذاتی عناد اور نظریاتی ٹکراؤ کی بنا پر یہ اوچھے ہتھیار اختیار کرتے ہیں۔ دار قطنی ہوں یا حاکم، بیہقی ہوں یا ابن تغری، ابن قتیبہ سے متعلق ان کی رایوں کو سند نہیں مانا جا سکتا کیونکہ کم و بیش ابن قتیبہ کی تصنیفات کے مطالعے سے گریز کیا گیا ہے یا اگر کسی حد تک انھیں ملحوظ نظر رکھا بھی گیا ہے تو تعصب اور جانبداری کی عینک کے ساتھ۔ سیوطی نے تو حاکم کے مذکورہ بالا قول کا مذاق اڑاتے ہوئے لکھا ہے۔ وما اعلم الامة اجتمعت الا علی کذب الدجال ومسیلمة۔[11]

ابن قتیبہ کی چند اہم تصنیفات

شروع سے ہی ابن قتیبہ اس بات کے لئے کوشاں رہے کہ زبان و ادب کے اس مواد کو جسے بالخصوص کوفی مکتبۂ فکر کے لوگوں نے جمع کیا تھا مہیا کر دے تاکہ اس کے

نوشہ چینوں کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ تاریخی معلومات کو یکجا کرنے کا فیصلہ بھی کیا اور اس کے لئے سرگرم رہے۔ چونکہ ابن قتیبہ اس زمانے سے تعلق رکھتے تھے جس میں مذہبی بحثوں کا بول بالا تھا فکری اور نظریاتی اختلاف شباب پر تھا۔ خالص دینی موضوعات بھی عقل و فہم کے معیار پر دیکھے جانے لگے تھے۔ معتزلہ، مشبہہ اور جہمیہ۔ یہ تمام ایسی جماعتیں تھیں جو اپنی بے جا تاویلات کے ذریعہ علمائے اہل سنت کو طعن و طنز اور طنز و تعریض کا نشانہ بنا رہی تھیں اس لئے بالخصوص قرآن و سنت بھی ابن قتیبہ کے مباحث کا مرکز توجہ بن گئے اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں اپنا سارا زور قلم صرف کر دیا۔ یہاں ابن قتیبہ کی ان تصنیفات کی ایک فہرست دی جاتی ہے جن کے منظر عام پر آنے کے بعد ابن قتیبہ ایک مایۂ ناز ادیب، مشہور ماہر ناقد، نمایاں فقیہ اور بے مثال معلم کی حیثیت سے دنیائے اسلام بالخصوص عرب دنیا میں متعارف ہوئے:

فلسفۂ لغت میں انکی سب سے زیادہ مشہور کتابیں ہیں (۱) کتاب ادب الکاتب (۲) کتاب معانی الشعر، اسکی سب سے بڑی کتاب "عیون الاخبار" ہے جو دس جلدوں میں مکمل ادب کا ایک نمونہ ہے اور بعد میں لکھی گئی اکثر کتابوں پر اس کی چھاپ نظر آتی ہے۔ مندرجہ ذیل کتابیں بھی اسی کا تکملہ ہیں۔ (۱) کتاب الشراب (۲) کتاب المعارف (۳) کتاب الشعر و الشعراء (۴) کتاب تاویل الرؤیا جو مفقود ہے۔ اس کی دو بڑی مذہبی کتابیں ہیں (۱) کتاب مشکل القرآن (۲) کتاب تاویل مختلف الحدیث۔

اس کی یہ کتابیں بھی محفوظ ہیں (۱) الرد علی الشعوبیۃ (۲) فضل العرب علی العجم (۳) الاشتقاق (۴) العرب وعلومہا (۵) المیسر والقداح۔[12]

ابن الندیم نے تو کم و بیش ساٹھ اہم تصنیفات کا ذکر کیا ہے جن میں چند یہ ہیں (۱) معانی الشعر الکبیر (۲) کتاب الفرس جس میں ۴۶ ابواب ہیں (۳) کتاب الجرب جس میں دس ابواب ہیں (۴) کتاب عیون الشعر جو دس کتابوں پر مشتمل ہے (۵) کتاب غریب القرآن (۶) کتاب الخیل (۷) کتاب دلائل النبوۃ (۸) کتاب الاشربۃ (۹) کتاب جامع الفقہ (۱۰) کتاب الرد علی المشبہہ۔

دو شہرہ آفاق تالیفات کے آئینے میں

ابن قتیبہ کی تو بہتیری تصنیف

یہ سند فراہم کرتی ہیں کہ وہ اپنے دور میں اہل سنت کا اہم ترین نمائندہ تھا۔ تاہم اس کی چند شہرۂ آفاق تصانیف ایسی ہیں جو خاص طور پر بحیثیت اہل سنت اور متکلم اسلام کی حیثیت سے متعارف کراتی ہیں اور وہ مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) تاویل مشکل القرآن (۲) تاویل مختلف الحدیث (۳) کتاب الرد علی المشبہ (۴) کتاب الاجوبہ۔ یہاں صرف دو کتابوں کے سلسلے میں اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے جس کی روشنی میں ابن قتیبہ کی متکلمانہ حیثیت واضح ہو سکتی ہے۔

تاویل مشکل القرآن

ابن قتیبہ نے اپنی زندگی کو قرآن کے مطالعہ کے لئے دو جہتوں سے خاص کر لیا تھا ایک جہت تو تقلیدی ہے یعنی نحوی اعتبار سے الفاظ کی عقدہ کشائی کے ساتھ آیات کی توضیح و تشریح۔ قرآنی مطالعہ کی اس تقلیدی جہت کا ترجمان ابن قتیبہ کی "غریب القرآن" ہے اور دوسری اور قابل ذکر جہت ہے ادبی حیثیت سے قرآن کے مطالعہ کی۔ سعد زغلول لکھتے ہیں کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں قرآن مختلف جہتوں سے موضوع بحث بنا۔ ان میں ایک انتہائی اہم جہت ادبی جہت ہے۔ جاحظ نے معتزلی طرز فکر اختیار کرتے ہوئے نظم القرآن لکھی اور پورے طور پر معتزلیوں کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بالمقابل اہل سنت کی ترجمانی ابن قتیبہ نے کی جس طرح جاحظ نے قرآن کے زبان و ادب پر گفتگو کی اسی طرح بلکہ اور زیادہ سرگرمی کے ساتھ ابن قتیبہ نے اس میدان میں کام کیا۔ قرآنی اسلوب کے مسائل و مشکلات کو جس طرح جاحظ نے معتزلیوں کی ترجمانی کرتے ہوئے واضح کیا اسی طرح ابن قتیبہ بھی اہل سنت کی تائید و حمایت میں سرگرم میدان بنے رہے اور قرآن کی پیچیدگیوں کا ایک شافی نسخہ تیار کیا جو "مشکل القرآن" کے نام سے مشہور ہے۔[۴]

در اصل مشکل القرآن اور غریب القرآن دو مختلف تصانیف ہیں جن میں قتیبہ کی متکلمانہ شخصیت دو پہلوؤں سے اجاگر ہوتی ہے جیسا کہ آغاز بحث میں بتایا جا چکا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو ابن مطرف نے جمع کر دیا ہے اور اس کا نام قرطین رکھا ہے۔ مشکل القرآن کا امتیاز بایں طور نمایاں ہے کہ اس میں مؤلف کی روح، ثقافت اور وسعت نظری ہمہ آن جھلکتی ہے۔ قرآن کے انداز و اسلوب کو خوبی کمال کے ساتھ مانوس اور دلچسپ انداز میں

نمایاں کیا ہے۔ طویل مقدمہ کے ساتھ اس کتاب کی ابتدا کی گئی ہے اور اس میں اعجاز قرآن پر سیر حاصل گفتگو سے قرآنی ادب کو مرکز توجہ بنانے کی دعوت دی گئی ہے چنانچہ آپ ہر جگہ قرآن کے نظم الفاظ کی بندش، دل نشیں پیرایۂ بیان کے لئے مناسب اور معقول الفاظ کے استعمال اور قرآنی اعجاز سے متعلق دوسرے مباحث کو ثابت کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح اس کی موسیقیت کو بھی موضوع بحث بنایا گیا ہے جس کی وجہ سے مطالعہ کرنے والوں کو ایسی لذت اور شیرینی کی چاشنی ملتی ہے جو تمام تر توجہات کو اپنی طرف مرکوز کرا لیتی ہے۔ اپنے مقدمہ مشکل القرآن میں اعجاز قرآن سے متعلق مندرجہ ذیل امور کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ پہلی چیز نظم ہے یعنی الفاظ کی بندش، الفاظ و معانی کے درمیان معنی کی صحیح ادائیگی کے لئے الفاظ کو ایک دوسرے سے مربوط کرنا، بیان دعویٰ مختصر ہو اور نہ ہی مانوس الفاظ کا استعمال اور نہ ہی کوئی غیر ضروری زیادتی۔

دوسری چیز ہے موسیقیت اور نغمگی۔ نظم و ربط اگر الفاظ میں ہر جگہ برقرار ہو تو ایسا کلام بہت ہی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا اور اس کی آواز کانوں کے لئے خوشگوار ہوگی۔ قرآن پاک کی صفت یہ ہے کہ اس کی تلاوت بار بار کی جاتی ہے لیکن تلاوت طویل ہو جانے کی وجہ سے کوئی اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی بلکہ ہر بار تازگی اور نیا حوصلہ ملتا ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ قرآن کی اثر آفرینی عربوں کے تمام سرمایۂ فن ادب سے بالاتر ہے۔

چوتھی خصوصیت جو قرآن پاک کو اعجاز کے اعلیٰ درجے تک پہنچا دیتی ہے وہ یہ کہ آسمانی شریعتوں میں قرآن کے معانی و مفاہیم سے وسعت ملتی ہے اور یہ شریعتیں مکمل ہوتی ہیں۔ یہ ایسی کتاب ہے جس کے فوائد کبھی ختم نہیں ہوتے اور اس کے ذریعہ ماضی کی تمام کتابیں اور ان کے قوانین منسوخ ہو گئے۔

(باقی آئندہ)

مصادر و مراجع

۱ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ۔ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ ص ۳۹۶، ج ۱ طبع اول
۲ ابن قتیبہ ڈاکٹر زغلول سلام۔ ص ۲۰ دار المعارف بیروت
۳ الفہرست لابن الندیم۔ ص ۱۲۱ مطبعۃ الاستقامۃ
۴ ابن قتیبہ۔ محمد زغلول سلام۔ ص ۳۳ دار المعارف بیروت۔

[5] ابن قتیبہ - محمد زغلول سلام ص ۴۴، دار المعارف، بیروت

[6] اثر القرآن فی تطور النقد العربی محمد زغلول سلام - ص دار المعارف، مصر

[7] تاویل مشکل القرآن - ابن قتیبہ - ص ۱۷ (مقدمہ)

[8] ایضاً ایضاً ص ۱۷ " دار المعارف بیروت

[9] ابن قتیبہ - محمد زغلول سلام ص ۲۴

[10] وفیات الاعیان و انباء ابناء الزمان - ابن خلکان ص ۳۵۲، ج ۱، طبع اول قاہرہ

[11] تفسیر سورۃ الاخلاص - ابن تیمیہ ص ۱۳۳ مطبع المنیریۃ مصر ۱۳۵۲

[12] یہ مختصر فہرست اردو دائرۂ معارف اسلامیہ لاہور طبع اول ص ۶۳۹ سے لی گئی ہے۔

[13] ملاحظہ فرمائیں الفہرست لابن الندیم ص ۱۲۲—۱۲۱

[14] اثر القرآن فی تطور النقد العربی محمد زغلول سلام، دار المعارف، مصر، ص ۱۰۱

غزل

از الطاف حسن قریشی

مرسلہ: محمد یونس فلاحی، علی گڑھ

(۱) وہ اور ہی ہوں گے کہ ہمت آلام و مصائب سہ نہ سکے
شمشیر و سناں کی دھاروں پر جو حق و صداقت کہہ نہ سکے

(۲) اک جذبِ حصولِ مقصد نے یوں حرص و ہوا سے پاک کیا
ہم کفر کے طوفاں بک نہ سکے ہم وقت کی رو میں بہہ نہ سکے

(۳) تم درد و رسن کی منزل کو اسبابِ تعیش کیا جانو
ہم جامِ شہادت پی پی کر وہ کہہ گئے، جو کچھ کہہ نہ سکے

(۴) تھے تم سے زیادہ طاقتور، پر چشمِ فلک نے دیکھا ہے
توحید کا طوفاں جب اٹھا، وہ مدِ مقابل رہ نہ سکے

(۵) الطافِ محبت اور ہے کیا جز سوز و دروں، جز درد نہاں
وہ پچھلے پہر کے نالے ہیں، جو آنکھ سے آنسو بہہ نہ سکے

حلقۂ یاراں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱)

MUZAMMIL HUSAIN.
P.O.Box 51178,
RIYADH 11543. (SAUDI ARABIA)

۲۵ رمضان المبارک

برادرم ولی اللہ صاحب: السلام علیکم و رحمۃ اللہ!

برادرم جاوید اشرف صاحب کے نام اپنے ایک خط میں یہ اطلاع بھیج چکا ہوں کہ حیات نو اب بھی نہیں موصول ہو رہا ہے۔

برادرم فرید صاحب کی معرفت مئی، جون جولائی کے دو شمارے موصول ہوئے۔ آپ کا ممنون ہوں۔ فی الحال مئی کا شمارہ میرے سامنے ہے دوسرا شمارہ ہمارے ایک رفیق کے زیر مطالعہ ہے۔ مئی کے شمارے کی روشنی میں چند باتیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ ٹائٹل کا ڈیزائن ایک جیسا ہی ہے لیکن کم از کم رنگ کا فرق ہونا چاہیے تھا۔ دونوں میں سبز رنگ التباس کا باعث ہیں۔

۲۔ مصنفین کے نام بھاری اور بھے چوڑے القاب: "جناب مولانا محمد طاہر مظہری مدنی صاحب" کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب یہ سب لکھا جاتا تھا اور اب وہ دور گذر چکا ہے۔ "طاہر مدنی" میں جو سادگی اور کشش ہے وہ اس لمبے قافیے میں نہیں۔ مقصد نام لکھنے سے ذکر دیگراں بتانا۔ آپ اپنا نام "ولی اللہ" لکھ کر

بھی کام چلا سکتے ہیں۔

ـ برادرم ولی اللہ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستان میں اردو کی حالت دن بدن خراب ہوتی جارہی ہے۔ عوام جو اردو جانتے ہیں وہ سادہ اور آسان زبان ہے۔ چنانچہ زبان کی سادگی اور آسان الفاظ کے استعمال کو اپنا طریقہ بنائیے۔

ـ بحث و نظر کے تحت " شہید " کے عنوان سے عبد الرؤف صاحب کا جواب بے حد پسند آیا۔ میں سمجھتا ہوں یہی مضمون اس شمارے کی جان ہے۔ اس میں اصلاح معاشرہ، محقق کی تحقیق، زبان کی سادگی ہے اور UP TO DATE بھی ہے۔ اس لئے میری جانب سے مولانا کو مبارکباد پیش کردیں۔

ـ جناب افتخار الحسن صاحب سے مزید مضامین لکھوائے جائیں اور انکی صلاحیت سے فائدہ اٹھایا جائے۔

ـ " عربی ادب " جیسے مضمون کے لئے حیات نو میرے خیال سے ابھی موزوں نہیں ہے " ابوالاعلیٰ کا نثری سرمایہ " نیز " کاکا عمر " پسند آئے۔

ـ " تعارف و تبصرہ " کے لئے میرے خیال سے " حیات نو " کو مجبور نہ کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

ناچیز کی رائے یہ ہے کہ حیات نو میں وقتاً فوقتاً تحریری مذاکرے کا سلسلہ رکھا جائے۔ قارئین کو ایک موضوع دیا جائے کہ وہ اس پر اظہار خیال کریں۔ نہ صرف قارئین بلکہ مفکرین، علماء اور مصنفین سے مل کر یا ان کو خط لکھ کر ان کو تحریری مذاکرے میں شرکت کی دعوت دی جائے۔ ورایسا سلسلہ شروع کرنے سے " حیات نو " ہی میں یا " دعوت " میں اس کا پروپیگنڈہ ہو۔ دوسری طرف " فلاح " ورآپکے آس پاس ایسے لوگ ہونگے کہ اگر لوگوں لوگوں نے خاطر خواہ طور پر شرکت نہ کی تو آپ اپنے ہی لوگوں کے مضامین سے تحریری مذاکرے کو زندہ رکھ سکیں گے۔ " تحریری مذاکرے " کے لئے یہ شرط رکھیں کہ وہ مطبوعہ نہ ہوں۔ اتنی لائنوں پر مشتمل ہوں۔ یا ایک ورق یا دو ورق (وغیرہ) پر مشتمل ہوں۔ اس تعلق سے بہتیرے موضوعات سوچے جاسکتے ہیں۔

اس وقت جو میرے ذہن میں موضوعات ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) ہندوستانی دینی مدارس اور ان کے مسائل۔

(۲) ہندوستانی مدارس اور نصاب تعلیم۔

(۳) ہندوستانی مدارس کا اتحاد اور اس کے فوائد۔

(۴) ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل اور ہندوستانی مدارس۔

(۵) عوام علماء سے بیزار کیوں ؟

(۶) امت کی قیادت اور مدارس کا رول

(۷) مسلمانوں کا اتحاد اور مدارس کا رول۔ (وغیرہ وغیرہ)

ہر شخص کو زیادہ سے زیادہ حیات نو کے ایک صفحے کے برابر لکھنے کا حق دیا جائے۔ اور ہر شمارے کے زیادہ سے زیادہ تین یا چار صفحے اس کے لئے رکھے جائیں اور جب کسی موضوع پر مذاکرہ کو ختم کیا جائے تو ایڈیٹر لوگوں کی رائے ایک دو تین کرکے تحریر کرے تاکہ ایک نظر میں ساری باتیں آسکیں۔ اس طرح کے مذاکرے سے فائدہ یہ ہوگا کہ بہت سارے لوگوں کی آراء سے واقفیت اور مسائل کے حل سامنے آئیں گے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور مذاکرے کو ختم کرتے ہوئے آپ غیر محسوس انداز میں جماعت کی، جامعہ کی اور اپنی فکر پیش کرسکتے ہیں۔ گویا کہ مسائل یہ ہیں اور انکا حل یہ ہے۔

بیک ٹائٹل کو خالی رکھنے کے بجائے کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیئے مثلاً " جمعیۃ کی لائبریری کے لئے تعاون کی اپیل " یا " جامعۃ الفلاح کا تعارف " وغیرہ یا مدرسۃ نسواں کی ترقی کیلئے اپیل " وغیرہ۔ وغیرہ۔

" حیات نو " کی کتابت مزید باریک کریں تو بہتر ہوگا۔

برادرم جاوید اشرف صاحب کو سلام عرض کریں۔ آپکے خط کا منتظر رہوں گا۔

۔۔۔ والسلام

طالب دعا: مزمل حسین

(۲)

از علی گڑھ — ۲۵ر اپریل ۱۹۸۸ء

برادر مکرم! السلام مسنون:

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ فی الحال تو کوئی مضمون "تعلیم و تعلّم" کے کالم کے لائق تیار نہیں ہے۔ البتہ ایک مضمون کی تیاری کر رہا ہوں ان شاء اللہ آپکی خدمت میں ارسال کرونگا۔ "امام شوکانی کی نیل الاوطار ـــ ایک جائزہ" موضوع ہوگا۔ آپ بھی مشوروں سے نوازیں۔

مئی ۱۹۸۸ء کا حیات نو آگیا ہے۔ حلقہ یاراں نہ ہونے کی وجہ سے ایک خلا محسوس ہوتا ہے۔ محترم صباح الدین فلاحی کا مضمون "ابو الاعلیٰ کا نثری سرمایہ" اچھا ہے۔ لیکن موصوف نے مولانا مودودیؒ کو ایک عام ادیب کی طرح شمار کیا ہے تو ہیں سے خطاب اور انکے نام کے ساتھ کہیں بھی "رح" نہیں لکھا ہے۔ ادیب کے ساتھ کتنی ستم ظریفی کا معاملہ کیا جاتا ہے کہ زندگی بھر وہ وفاداری کا ثبوت دیتا ہے لیکن مرنے کے بعد لوگ اُس کو "رح" نہیں لکھتے۔ یہی کچھ معاملہ فاضل مقالہ نگار نے بھی مولانا مودودیؒ کے ساتھ کیا ہے۔

آپکے اداریہ میں ہر جگہ "بخاری" کے حوالہ میں "البخاری" لکھا ہے۔ میرے علم کی حد تک "صحیح البخاری" کی ترکیب درست نہیں ہے۔ بخاری پر الف لام داخل نہیں ہوتا بلکہ "الصحیح للبخاری" لکھا جاتا ہے۔ یہ ترکیب توصیفی نہیں بلکہ ترکیب اضافی ہے۔ گستاخی کو معاف فرمائیگا۔

والسلام — محمد اسلام عمری

آپ کے سنجیدہ تبصروں اور نیک مشوروں کے لئے "حلقہ یاراں"

چشم براہ ہے۔

ولی اللہ سعیدی فلاحی

جامعہ کے لیل و نہار

جامعہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز

رمضان المبارک کی چھٹی کے بعد ۸ر شوال مطابق ۲۵ر مئی ۱۹۸۸ء کو جامعہ میں نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ دور دراز کے طلبہ جوں یا قریب و جوار کے، تمام ہی نئی امنگ اور تازہ حوصلے کے ساتھ جامعہ پہنچ چکے ہیں۔ پڑھائی باقاعدہ شروع ہو چکی ہے۔ نئے طلبہ و طالبات بھی ایک بڑی تعداد میں تشریف لائے ہوئے ہیں۔ ڈیڑھ مہینے کی خزاں کے بعد دوبارہ موسم بہار آگیا ہے۔

انجمن طلبۂ قدیم کی شوریٰ کا اجلاس

انجمن طلبۂ قدیم کی شوریٰ کا اجلاس ۹ر جون بروز جمعرات اعظم گڑھ میں منعقد ہونے جا رہا ہے۔ یہ اجلاس رمضان المبارک سے پہلے ہی ہونے والا تھا لیکن بعض وجوہات کی بناء پر ملتوی کر دیا گیا تھا۔

جمعیۃ الطلبہ کا سالانہ میگزین "الفلاح" منظر عام پر

جمعیۃ الطلبہ کا سالانہ میگزین "الفلاح" پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔ اردو، عربی، انگریزی اور ہندی چار زبانوں کا یہ سالانہ میگزین قرآنیات، سیرت و سوانح، بحث و نظر، تعلیم و تعلّم، عالم خیال، غزلیات، پیغامات اور ذکر محفل جیسے موضوعات اپنے اندر لئے ہوئے ہے جو ۲۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

جناب مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی علاقہ بریلی سے علاقہ گورکھپور منتقل

جماعت اسلامی اتر پردیش نے بعض مصالح کے پیش نظر جناب مولانا مقبول احمد صاحب فلاحی رکن شوریٰ انجمن طلبہ قدیم کو اب علاقہ گورکھپور کی نظامت سپرد کی ہے۔ موصوف اس سے پہلے

فلاح بریلی کے ناظم تھے۔ اب آپ باقاعدہ گورکھپور منتقل ہو چکے ہیں آپ سے رابطہ کا پتہ مندرجہ ذیل ہے: جناب مقبول احمد صاحب فلاحی، دفتر جماعت اسلامی، گھاسی کٹرہ، گورکھپور، یوپی۔

جناب مولانا ظہیر احمد صاحب فلاحی کو صدمہ

یہ خبر ہم تمام کیلئے شدید رنج و غم کا باعث ہے کہ مولانا ظہیر احمد صاحب فلاحی کے والد صاحب جناب مولانا شبیر احمد صاحب سابق ناظم جماعت اسلامی ڈویژن گورکھپور، رمضان سے چند دن قبل انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ حادثہ تنہا مرحوم کے اہل خانہ ہی کیلئے نہیں بلکہ یہ پوری تحریک اسلامی بلکہ پوری ملت کا حادثہ ہے کہ وہ ایک باصلاحیت داعی، ذاکر و مصلح اور ایک مخلص کارکن سے محروم ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت کرے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور تحریک کو آپ کا نعم البدل عطا کرے۔ آمین۔

جناب مولانا شبیر احمد صاحب فلاحی کو صدمہ

یہ بات ہم تمام کیلئے تکلیف دہ ہے کہ جناب شبیر احمد صاحب فلاحی، رکن شوریٰ انجمن طلبۂ قدیم کی والدہ ماجدہ ۲۶ رمضان المبارک بروز جمعہ کو دار فانی سے دار بقاء کی طرف رحلت فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پسماندگان کے غم میں ادارہ حیات نو برابر کا شریک ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مالک مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین۔

مضمون نگار حضرات اپنے مضامین خوشخط اور ورق کے صرف ایک طرف تحریر فرمایا کریں۔